محمود ٥ فاروق ٥ فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز

ناول نمبر ۳۷۴

چیونٹی حکومت

اشتیاق احمد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، جب کوئی تم میں سے اپنی جگہ میں سے (جہاں وُہ بیٹھا ہو) کھڑا ہو جائے (کسی کام کے لیے اور لَوٹنے کی نیّت رکھتا ہو) پھر لوٹ کر آئے، تو وُہ زیادہ حق دار ہے اس جگہ کا (بجائے نئے شخص کے جو اس جگہ میں بیٹھنا چاہے، اگر نیا شخص وہاں بیٹھ گیا ہو تو یہ اس کو اٹھا سکتا ہے اور اس کو اُٹھ جانا چاہیے)

سنن ابن ماجہ شریف، جلد سوم
صفحہ نمبر ۱۷۵، حدیث نمبر ۶۰۷

○

حضرت طحفہ غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو پایا، مسجد میں مَیں سو رہا تھا اپنے پیٹ پر (یعنی اوندھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنے پاؤں سے مجھ کو ہلایا اور فرمایا ، ہائیں تو اس طرح سوتا ہے ، یہ تو وہ سونا ہے جس کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ بُرا جانتا ہے یا اس کو دشمن رکھتا ہے لے

سُنن ابنِ ماجہ شریف ، جلد سوم
صفحہ نمبر ۱۷۷ ، حدیث نمبر ۶۱۴

(لے جو لوگ بہت کھاتے ہیں ، وُہ اکثر پیٹ کے بل سوتے ہیں تاکہ کھانا خوب ہضم ہو جائے اور مومن صالح کم خوراک ہوتا ہے ، اس کو پیٹ کے بل اوندھا سونے کی حاجت نہیں ، خصوصاً جب یہ منع بھی ہو ۔ عمدہ سونا یہ بھی ہے کہ داہنی کروٹ پر سوئے یا چت یا بائیں کروٹ)

○

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر گذرے اور میں پیٹ کے بل پڑا ہوا تھا ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لات سے مجھ کو مارا اور فرمایا ، اے جندب (یہ نام ہے ابوذر کا) یہ تو سونا دوزخ والوں کا ہے ٹہ

سنن ابنِ ماجہ شریف ، جلد سوم
صفحہ نمبر ۱۷۷ ، حدیث نمبر ۶۱۵

(ٹہ پیٹ کے بل سونے میں دوزخیوں کی مشابہت ہے)

دو باتیں

السلام علیکم !

مجھے ہر روز کئی مرتبہ حیران ہونا پڑتا ہے ۔ یا آپ یوں کہہ لیں کہ مجھے کئی بار حیران ہونے کے لیے دن کا سہارا لینا پڑتا ہے ۔ ہونے کو میں رات کو بھی حیران ہو سکتا ہوں ۔ اور اس پر کسی کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا ۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے حیران ہونے کے لیے دن کا وقت ہی زیادہ موزوں ہو ۔

خیر اس بات کو جانے دیں ۔ میں تو آپ کو حیران ہونے والی بات بتا کر حیران کرنے کے موڈ میں ہوں ۔ آپ جانتے ہی ہوں گے ۔ حیران ہونا آج کے دور میں بہت ضروری ہے ، صحت کی نشانی ہے ۔ جو لوگ حیران ہونا نہیں جانتے ، ان کی صحت ہمیشہ خراب رہتی ہے ۔ ڈاکٹر

انھیں حیران ہونے کے مشورے دیتے نہیں تھکتے۔
لیکن وہ بے چارے بھی کیا کریں۔ انھیں حیران
ہونا آئے تو حیران ہوں نا۔ ہاں، یہ کام میرے
قارئین کو خوب آتا ہے۔ ان کے لیے تو یہ کوئی
مسئلہ ہی نہیں۔ میرا کوئی ناول اُٹھا کر پڑھنا شروع
کر دیں گے اور حیران ہونا شروع ہو جائیں گے۔
پھر تو وہ اس قدر حیران ہوں گے کہ کسی کے روکے
بھی نہ رکیں گے۔ ہے کوئی حد حیران ہونے کی۔
اب کوئی ان سے پوچھ بیٹھے کہ بھائی صاحب —
میاں صاحب زادے۔ آپ کس بات پر حیران ہو
رہے ہیں۔ وہ فوراً کہہ اُٹھے گا۔ آپ نے کبھی
اشتیاق احمد کے ناول پڑھے ہیں۔ پوچھنے والا
حیران ہو کر کہے گا کہ کون ہے۔ ہم نے تو آج
تک نام نہیں سُنا۔ لیجیے۔ آپ نے نام نہیں سُنا۔
کمال ہے۔ ارے صاحب۔ ناول لکھتے ہیں —
بچّوں کے لیے۔ تو ہم کیا بچّے ہیں۔ بچّے جانتے ہوں
گے ہم کیوں جاننے لگے۔ اوہ، تب تو آپ واقعی
حیران ہونے کا گُر نہیں جانتے ہوں گے۔
میرے قاری کہیں یہ بات سُن کر بات کرنے

والے کا منہ بن جاتا ہے۔ لیکن وہ اب بھی نہیں
سمجھ پاتے کہ یہ کتاب پڑھنے والا ہمارا عزیز آخر
حیرت زدہ کیوں ہے۔ اسے آخر ہو کیا گیا ہے۔
یہ بار بار اُچھل کود کیوں کر رہا ہے۔ گھر کے
فرنیچر کا کچھ تو خیال ہونا چاہیے اسے۔ ہے کوئی
تُک۔ میز پر رکھی پیالی تو خیر میز سے نیچے گر
ہی نہیں۔ لات مار کر میز بھی الٹ دی —
ایسی بھی کیا حیرت۔ ہم تو باز آئے ایسی حیرت
سے اور اگر یہ حیرت اشتیاق احمد کے ناول پڑھنے
سے پیدا ہوتی ہے تو پھر باز آئے ایسے ناولوں
سے بھی۔ ہم کوئی بچّے ہیں۔ ہم کیوں پڑھنے
لگے۔ ایسے ناول۔ دھت تیرے کی۔ ناول نہ
ہوئے۔ حیرت پیدا کرنے کا آلہ ہو گئے۔ بلکہ
آلۂ کار ہو گئے —
لیکن بات ہو رہی تھی میرے اپنے حیران
ہونے کی۔ اور میں کہہ رہا تھا کہ دن میں کئی بار
مجھے حیران ہونا پڑتا ہے۔ اور یہ حیرت اپنا کوئی
ناول پڑھنے سے نہیں ہوتی۔ اپنا کوئی ناول
بھلا میں کیوں لگا پڑھنے۔ وہ آپ کو مبارک ہوں،

اور حیران ہونا بھی آپ کو ہی مبارک ہو۔ میری حیرت
ذرا اور قسم کی ہے۔ بس یوں سمجھ لیں کہ یہ سوچ
سوچ کر بھی حیران ہوا جاتا ہوں کہ یہ حیرت آخر
کس قسم کی ہے۔ جب یہی بات میری سمجھ میں
نہیں آئی کہ میری حیرت کس قسم کی ہے۔ تو پھر
حیران ہونے والی بات کس طرح سمجھ میں آئے
گی۔ یوں تو یہ دو باتیں بھی آپ کی سمجھ میں
نہیں آئی ہوں گی، لیکن اس میں آپ کا کوئی
قصور نہیں — یہ دو باتیں اس لیے تو لکھی بھی نہیں
جاتیں کہ سمجھ میں آ ہی جائیں۔ ان کا سمجھ میں آنا
ضروری نہیں۔ اور اگر کبھی اتفاق سے سمجھ میں آ
جائیں تو پھر اس بات پر بھی حیران ہونا چاہیے
کہ یہ سمجھ میں آ کیوں گئیں — کم از کم میں ایک
دعویٰ ضرور کر سکتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ دو باتیں آپ
کی سمجھ سے باہر ہی رہیں گی — اندر داخل نہیں
ہو سکیں گی۔ حیران ہونے کے لیے یہ بھی تو بہت
ضروری ہے نا۔ اب مجھ سے یہ نہ پوچھ بیٹھیے گا
کہ میں کس کس بات پر ہر روز حیران ہوتا ہوں —

انشا جی

ترتیب

چچ — چچ

"چچ — چچ — چیونٹی" عامر نے خوف زدہ انداز میں کہا۔
"چیونٹی — کہاں ہے چیونٹی — اور پھر ایک چیونٹی سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے" فیاض نے حیران ہو کر کہا۔
"م — میں نے ابھی — اسے اس دروازے میں سے نکلتے دیکھا ہے" عامر نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔
"یہ کون سی عجیب بات ہو گئی — اگر وہ دروازے میں سے نکل آئی ہے"
"بھئی سمجھنے کی کوشش کرو — وہ دروازے میں سے سوراخ کر کے نکلی ہے — ابھی ابھی میں نے اسے دروازے میں سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے — تبھی تو میں نے خوف زدہ انداز میں چچ چیونٹی کہا تھا"
"بھئی — سوراخ اس دروازے میں پہلے سے ہو گا، تم نہیں جانتے — اندر ہی اندر یہ چیونٹیاں کہاں کی کہاں

پہنچی ہوئی ہوتی ہیں۔" فیاض نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اِدھر آؤ ۔ میں تمہیں دکھاتا ہوں۔" عامر نے غصے میں آکر کہا اور فیاض کو بازو سے پکڑ کر دروازے تک لے گیا:

"اب دیکھو ۔ یہ سوراخ نیا ہے یا پُرانا ۔ یہ دیکھو ۔ لکڑی کے ذرات ۔ جو دروازے میں سوراخ بننے سے گرے ہیں۔"

"اوہ! لیکن ایک چیونٹی بھلا دروازے میں سوراخ کس طرح کر سکتی ہے ۔ ارے ۔ وہ ۔ وہ کہاں گئی؟"

"حیرت ہے ۔ ابھی ابھی تو یہاں تھی۔"

دونوں نے کمرے میں چاروں طرف چیونٹی کو تلاش کیا، لیکن وہ انہیں کہیں بھی نظر نہ آئی:

"کہیں تمہیں وہم تو نہیں ہوا تھا؟" فیاض نے کہا۔

"نہیں! میں نے خود اس چیونٹی کو اس سوراخ میں سے نکلتے دیکھا ہے ۔ اور سوراخ بھی میری نظروں کے سامنے بنا ہے۔"

"ہوں! پھر چیونٹی کہاں گئی ۔ اس کے پَر تو نہیں لگ گئے؟" فیاض بولا۔

"چھوڑو ہمیں کیا ۔ آؤ ناشتے کی میز پر چلیں ۔ امی جان ناراض ہو رہی ہوں گی۔"

دونوں بھائی تھے ۔ اور سیٹھ شوکت شاری کے بیٹے تھے ۔ شوکت شاری شہر کے سب سے بڑے رئیس تھے، ان کی دولت مندی کی بہت دھوم تھی، بڑے بڑے لوگوں سے ان کے تعلقات تھے ۔ ان کے شہر میں کئی بڑے بڑے کارخانے تھے ۔ جن میں کپڑا بنتا تھا ۔ اور ان کے مقابلے کا کپڑا پورے ملک میں کوئی اور کارخانہ تیار نہیں کرتا تھا ۔ اس لحاظ سے ان کا کاروبار دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہا تھا۔

دونوں بھائی ناشتے کی میز پر پہنچے تو ان کی امی نے انہیں گھور کر دیکھا:

"آٹھ بج کر دو منٹ ہو چکے ہیں، جب کہ تمہیں ناشتے کی میز پر ٹھیک آٹھ بجے پہنچنا ہوتا ہے ۔ دو منٹ کی دیر کیوں ہوئی؟"

"ج ۔ جی ۔ امی جان ۔ چیونٹی ۔"

"چیونٹی ۔ یہ کیا بکواس کی تم نے ۔" انھوں نے چیخ کر کہا ۔

"کیا بات ہے بیگم ۔ کیوں چیخ رہی ہو ۔ کیا کر دیا

انھوں نے؟"

"یہ پورے دو منٹ دیر سے ناشتے کی میز پر پہنچے ہیں اور اوپر سے مجھے چیونٹی بھی کہہ رہے ہیں۔" انھوں نے بھناتے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہائیں — یہ میں کیا سُن رہا ہوں — عامر — فیاض — تم اتنے بدتمیز کب سے ہو گئے؟"

"یہ — یہ غلط سمجھی ہیں ابا جان — ہم نے انھیں چیونٹی نہیں کہا — ہماری کیا مجال — چیونٹی تو انھیں آپ بھی نہیں کہہ سکتے۔" فیاض نے گھبرا کر کہا۔

"اس میں میرا ذکر کہاں سے نکل آیا؟" انھوں نے آنکھیں نکالیں۔

"جی وہ — بس — زبان پھسل گئی۔"

"یہ غلط کہہ رہے ہیں — عامر نے مجھے چیونٹی کہا ہے۔" امی جان نے چلّا کر کہا۔

"جی نہیں امی جان — آپ کے سمجھنے میں فرق ہے — دراصل ہم نے کمرے میں ایک چیونٹی دیکھی تھی۔"

"یہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے — ہمارے گھر میں اور چیونٹی، ہمارے گھر میں تو کسی مکھی، مچھر اور چیونٹی کا داخل ہونا ممکن نہیں، شاید تم نہیں جانتے — میں نے کس قدر جدید

چیزیں گھر میں لگوائی ہیں — ان کی موجودگی میں کوئی چیونٹی، مچھر اور مکھی اندر داخل نہیں ہو سکتی۔"

"اوہو اچھا — یہ بات تو واقعی ہمیں معلوم نہیں تھی ابا جان۔"

"نالائق ہو تم — جب گھر میں مکھی، مچھر اور چیونٹی وغیرہ کوئی چیز بھی نظر نہیں آتی — تو کیا تمھارے ذہن میں یہ سوال کبھی پیدا نہیں ہوا کہ آخر کیوں نہیں آتیں۔"

"شاید ہم نے سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔"

"میں نے کہا نا — تم نالائق ہو — ہائیں — تم نے کیا کہا — ہمارے گھر میں تم نے ایک چیونٹی کو دیکھا تھا۔"

"جی ہاں بالکل — میں نے دیکھی ہے۔" عامر نے کہا۔

"ناممکن — تم نے ضرور خواب میں چیونٹی کو دیکھا ہو گا۔"

"جی نہیں — آپ فیاض سے پوچھ لیں۔"

"کیوں فیاض؟"

"چیونٹی کو صرف عامر نے دیکھا تھا ابا جان — اس نے خوف زدہ انداز میں کہا تھا — چچ چیونٹی — اور پھر اس نے نئی بات یہ بتائی تھی کہ چیونٹی دروازے میں سوراخ کر کے اندر داخل ہوئی ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آؤ۔ سوراخ مجھے دکھاؤ۔"

"اوہو۔ آپ بھی ان کے چکر میں آگئے۔ پہلے ناشتا کریں۔" بیگم شوکت بولیں۔

"نہیں بیگم۔ ناشتا بعد میں۔ آج یوں بھی چھٹی کا دن ہے۔ اگر کچھ دیر بھی ہو جائے گی تو گزارا ہو جائے گا۔"

"لیکن عادت تو خراب ہوتی ہے نا۔ کل بھی ناشتا لیٹ ہو سکتا ہے۔"

"نہیں ہو گا۔ تم فکر نہ کرو۔ بلکہ تم بھی میرے ساتھ آ جاؤ۔"

"مجھے چیونٹی سے کوئی دلچسپی نہیں۔" انھوں نے منہ بنا کر کہا۔

"دلچسپی تو مجھے بھی نہیں۔ میں تو صرف وہ سوراخ دیکھنے جا رہا ہوں۔"

وہ ان کے ساتھ اس کمرے میں آئے۔ عامر نے انھیں سوراخ دکھایا:

"عجیب بات ہے۔ وہ چیونٹی کہاں ہے؟"

"ہم نے بعد میں اسے تلاش کیا، لیکن وہ ہمیں کہیں بھی نظر نہیں آئی۔ ارے۔ وہ دیکھیے۔ اس دروازے میں

بھی سوراخ۔" عامر نے چلا کر کہا۔

وہ یک دم آگے بڑھے۔ اور ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ نزدیک پہنچ کر انھوں نے سوراخ کا جائزہ لیا:

"کمال ہے۔ یہ چیونٹی تو ہمیں چکرائے دے رہی ہے، اس دروازے میں سوراخ کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ وہ اب دوسری طرف ملے گی۔ آؤ دروازے کے اس طرف دیکھیں۔"

وہ صحن میں نکل آئے۔ سوراخ اس طرف بھی موجود تھا۔ انھوں نے سوراخ کی سیدھ میں دیکھا۔ کوئی چیونٹی نظر نہیں آئی:

"چیونٹی یہاں نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے۔ اب ہمیں اس چیونٹی کو پورے گھر میں تلاش کرنا چاہیے۔" عامر بولا۔

"ہاں! ٹھیک ہے۔" سیٹھ شوکت بولے۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ ایک چیونٹی کے پیچھے پڑ گئے، ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" بیگم بھی ان کے نزدیک چلی آئیں۔

"کوئی بات نہیں بیگم۔ ناشتا پھر گرم ہو جائے گا۔ چیونٹی کو دیکھے بغیر میں نہیں رہ سکتا۔"

اب انھوں نے پورے گھر میں اس کی تلاش شروع کر دی۔ عامر نے تو عدسہ بھی ہاتھ میں لے لیا تھا اور بار

بار اس کی مدد سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا — ایسے میں ایک بار پھر اس کے منہ سے چیخ نکل گئی:

"مم — میں نے اسے دیکھ لیا ہے۔"

"دیکھ لیا ہے — تو بتاؤ — کہاں ہے وہ؟"

"وہ آپ کی الماری میں گئی ہے — بہت تیزی سے وہ آپ کی الماری کے دروازے سے ٹکرائی تھی — اور پھر میں نے اس جگہ سوراخ دیکھا — چیونٹی نظر نہیں آئی — گویا اب وہ آپ کی الماری میں ہے۔"

"مم — میری الماری میں۔"

"یہ دیکھیے سوراخ — بلکہ آپ عدسے کی مدد سے دیکھیں۔" عامر نے کہا۔

سیٹھ شوکت نے عدسہ ہاتھ میں لے لیا اور اس میں سے سوراخ کو دیکھا — عدسے میں سوراخ کافی بڑا نظر آیا، لیکن اس میں چیونٹی نہیں تھی — انھوں نے گھبراہٹ کے عالم میں دروازے کا تالا کھولا اور دروازہ کھول ڈالا — اس طرف بھی سوراخ نظر آیا — اب انھوں نے چیونٹی کی تلاش میں نظریں دوڑائیں — الماری میں فائلیں ترتیب سے رکھی تھیں —

"ہم نے ایک بات کی طرف توجہ نہیں دی۔"

"اور وہ کیا؟" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"یہ الماری خاص قسم کے فولاد سے تیار کی گئی ہے۔"

"جج — جی — ہم تو اسے لکڑی کی خیال کرتے رہے ہیں۔" فیاض بولا۔

"نہیں — اس کا رنگ ضرور ایسا ہے کہ بغور دیکھنے پر بھی یہ لکڑی کی ہی نظر آئے گی — لیکن یہ بات صرف میں جانتا تھا کہ یہ بہت مضبوط فولاد کی بنی ہوئی ہے، یہ میں نے خود بنوائی تھی — ان فائلوں کی حفاظت کے لیے — یہ فائلیں میرا کاروباری راز ہیں — اگر یہ کسی کاروباری رقیب کے ہاتھ لگ جائیں تو میرا سارا کاروبار تباہ و برباد ہو سکتا ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"لیکن ابا جان — وہ چیونٹی تو یہاں کہیں بھی نظر نہیں آ رہی۔"

"وہ کسی فائل میں نہ چھپ گئی ہو — سوال تو یہ ہے کہ اس نے فولاد میں کس طرح سوراخ کر دیا؟" وہ بڑبڑائے۔

"میرا خیال ہے — ہمیں پولیس کو بلا لینا چاہیے۔" فیاض نے پریشان ہو کر کہا۔

"ایک چیونٹی کے مقابلے میں؟" عامر نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ چیونٹی کوئی عام چیونٹی نہیں ہے — اس نے تو فولاد

میں سوراخ کر دیا ہے ۔ وہ بھی آن کی آن میں۔"

"یہ بات عجیب ترین ضرور ہے ، لیکن ہم ابھی پولیس کو بلانے کی حماقت نہیں کریں گے۔" سیٹھ شوکت بولے۔

"اُف مالک ۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔" عامر نے لرزتی آواز میں کہا۔

"کیا ہوا؟"

"فائلیں ایک طرف سے جلنا شروع ہو گئی ہیں۔"

"ارے باپ رے ۔ دوڑو ۔ پانی لاؤ۔"

وہ بھاگ کر پانی کی بالٹی اُٹھا لائے ۔

"لیکن ابا جان ۔ اس طرح تو فائلیں بالکل ضائع ہو جائیں گی۔" عامر بولا۔

"نہیں ۔ پانی سے ان کی لکھائی نہیں مٹے گی ۔ مائیکرو فلمیں ہیں ان میں۔"

انھوں نے پانی ان فائلوں پر ڈالنا شروع کیا ۔ دوسرا لمحہ اور بھی حیران کر دینے والا تھا ۔ پانی ڈالتے ہی آگ یک دم بھڑک اُٹھی ۔ یُوں لگا جیسے انھوں نے پانی نہیں ۔ تیل ڈالا ہو۔

"یہ تم بالٹی میں پانی لائے ہو یا تیل؟"

"جی ۔ غسل خانے میں تیل کہاں۔" عامر نے گھبرا کر کہا۔

"یا میرے مالک ۔ یہ سب کیا ہے ۔ کیا ہو رہا ہے؟"

"اب پولیس کو بلانے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"بلا بھی لیں گے تو کیا ہو جائے گا ۔ دھڑا دھڑ جلتی الماری کو جلنے سے تو وہ بچا نہیں سکیں گے۔"

"یہ ۔ یہ کیسی آگ ہے ۔ جو پانی ڈالنے سے اور بھڑک رہی ہے۔"

اب گھر کے ملازم بھی وہاں آ گئے تھے ۔ اچانک آگ الماری سے نکل کر کمرے میں پھیل گئی ۔

"ارے ارے ۔ فائر بریگیڈ کو فون کرو بھئی ۔ یہ آگ تو پھیلتی چلی جا رہی ہے ۔ اُف۔" سیٹھ شوکت نے چلّا کر کہا۔

بھاگ دوڑ شروع ہو گئی ۔ کمرے میں لگ جانے والی آگ پر پانی ڈالا گیا ، لیکن آگ اور بھڑک اُٹھی :

"فائر بریگیڈ بھی یہاں آ کر کیا کر لے گا۔" سیٹھ شوکت نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

ایک ملازم نے فون کیا ۔ پھر آگ پورے کمرے میں پھیل گئی ۔ انھیں دوڑ کر باہر نکلنا پڑا ۔ اور پھر وہ سب کوٹھی سے نکل کر باہر آ گئے ۔ محلے کے لوگ پانی بھر بھر کر لا رہے تھے ، آگ پر پھینک رہے تھے ، لیکن آگ لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہی جا رہی تھی ۔ کم ہونے کا نام نہیں

لے رہی تھی۔

آخر فائر بریگیڈ کی گاڑیوں کی گھنٹیاں گونج اُٹھیں۔ اُنھوں نے اپنا کام شروع کیا۔ لیکن آگ ذرا بھی کم نہ ہوئی۔ اور پھر صرف چند منٹ میں پوری کوٹھی سے شعلے اُٹھنے لگے۔

سیٹھ شوکت اور ان کے گھر والے بُت بنے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔

اتنی ہلکی کتاب

"ابا جان! آپ نے یہ خبر پڑھی؟" فاروق نے ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد کہا۔

"کون سی خبر؟"

"سیٹھ شوکت شاری کی کوٹھی کی تباہی کی۔"

"نہیں تو۔ کیا ہوا۔ بم تو نہیں مارا گیا ہے۔"

"جی نہیں۔ خبر پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔"

وُہ خبر پڑھنے لگے۔ ان کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہو گئیں۔ اب تو محمود اور فرزانہ بھی خبر پڑھنے پر مجبور ہو گئے۔ خبر پڑھنے کے بعد انھوں نے ایک دُوسرے کی طرف دیکھا:

"کیا خیال ہے؟"

"ان لوگوں سے مل کر پہلے اس خبر کی تصدیق کر لینی چاہیے۔"

تو پھر چلو۔ ناشتا تو ہم کر ہی چکے ہیں۔ دفتر اور سکول سے آج یونہی چھٹی ہے۔ ان سے مل آتے ہیں۔"

وہ اٹھے ہی تھے کہ بیگم جمشید باورچی خانے سے نکلیں:

"صبح صبح کہاں چل دیے۔ آج چھٹی کا دن ہے۔ اور آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ یہ دن آپ گھر میں گزاریں گے۔ خان رحمان اور پروفیسر صاحب کو بھی یہیں بلا لیں گے۔"

"یہ ٹھیک ہے۔ بیگم۔ لیکن تم ہمیں صرف آدھ گھنٹے کی اجازت تو دے ہی سکتی ہو۔ بس ہم ایک گھرانے سے مل کر ابھی آتے ہیں۔"

"ایک گھرانے سے مل کر۔" بیگم جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! اس گھرانے کا گھر جل گیا ہے۔"

"اوہ اچھا! ان سے ملنا تو ثواب کا کام ہے۔"

"ویسے وہ کوئی غریب آدمی نہیں ہیں۔ بہت دولت مند ہیں۔ پورے شہر میں ان سے بڑا دولت مند کوئی نہیں ہو گا۔"

"پھر بھی گھر جلنے پر افسوس کا اظہار تو کیا جا سکتا ہے۔"

"ہاں! بس ہم ابھی آتے ہیں۔ تم خان رحمان اور پروفیسر صاحب کو فون کر دو، وہ یہیں آ جائیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

ان کے نکلتے ہی بیگم جمشید فون کی طرف بڑھیں۔ ایسے میں ان کی نظر ایک چیونٹی پر پڑی۔ چیونٹی فرش پر تھی۔ اور فرش پر لکیر سی پڑتی چلی جا رہی تھی۔ ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔ ان کا فرش خاص قسم کا تھا۔ اور کسی چیونٹی کے چلنے سے اس پر لکیر پڑنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اور یہی بات ان کے لیے کی تھی۔ انھوں نے سوچا۔ یہ چیونٹی عام قسم کی نہیں، شاید کسی خاص ملک کی ہے۔ لہٰذا انھوں نے فوراً باورچی خانے سے چمٹا اٹھایا اور چیونٹی کو مارنے کے لیے لپکیں، لیکن ان کا چمٹے والا ہاتھ اٹھا کا اٹھا رہ گیا، کیونکہ چیونٹی غائب تھی:

"ارے! وہ کہاں گئی۔" انھوں نے ادھر ادھر دیکھا، چیونٹی کہیں نظر نہ آئی۔ آخر وہ ناشتے کی میز پر بیٹھ گئیں، ایسے میں ان کی نظر حاشیہ لگی ایک خبر پر پڑی۔ یہ حاشیہ پن سے لگایا گیا تھا۔ خاص خبر کے گرد اس قسم کا حاشیہ لگانا ان کے گھر کے افراد کی خاص عادت تھی۔ وہ خبر پر جھک گئیں۔ ساتھ ساتھ ان کے رونگٹے کھڑے ہوتے چلے گئے۔ جونہی انھوں نے خبر ختم کی۔ وہ اچھل کر

کھڑی ہو گئیں اور چلا اُٹھیں:

"نہیں!"

پھر اُنھوں نے بلا کی رفتار سے اکرام کے نمبر ڈائل کیے۔ دُوسری طرف سے فوراً اکرام کی آواز سنائی دی:

"سب انسپکٹر اکرام بات کر رہا ہوں۔"

"تمھارے انسپکٹر ہوٹل شان گئے ہیں۔ فوراً ان سے رابطہ قائم کرو اور ان سے کہو کہ ایک عدد چیونٹی ہمارے گھر میں بھی آ چکی ہے۔ اور تم بھی اپنے ماتحتوں کے ساتھ فوراً یہاں آ جاؤ۔ فائر بریگیڈ والوں کو بھی فون کر دو۔"

"اُف مالک۔ یہ آپ کیا کر رہی ہیں۔"

"یہ باتوں کا وقت نہیں ہے اکرام۔" انھوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

اب وُہ اس چیونٹی کی تلاش میں پاگلوں کی طرح گھومنے لگیں۔ ہر طرف اسے تلاش کیا۔ پھر انھیں فائلوں والی الماری کا خیال آیا۔ اس الماری کو کھولتے وقت وُہ کانپ کانپ گئیں۔ کہ کہیں سیٹھ شوکت شاری کی الماری کی طرح ان کی الماری میں بھی آگ نہ لگ جائے۔ ان کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہ تلاش کرتے کرتے تھک گئیں۔ لیکن چیونٹی کہیں نہ ملی۔ اور پھر دروازے کی گھنٹی بج اُٹھی۔ انداز

اکرام کا تھا، انھوں نے فوراً دروازہ کھول دیا:

"وُہ ہوٹل شان نہیں پہنچے۔"

"کیا مطلب؟"

"ہو سکتا ہے۔ راستے میں کوئی اور معاملہ پیش آ گیا ہو، آپ کو وُہ چیونٹی ملی یا نہیں؟"

"ابھی تک نہیں مل سکی۔"

"آپ ایک طرف ہٹ جائیں۔ ہم تلاش کرتے ہیں۔ آپ نے اسے دیکھا تھا؟"

"ہاں بالکل! اس کے چلنے سے فرش پر لکیر بن گئی ہے۔ وُہ رہی لکیر۔"

اُنھوں نے لکیر دکھا دی۔ وُہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ پھر اس نے ماتحتوں کو بھی اندر بلا لیا اور ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لینے لگے۔ کافی دیر گزر گئی، لیکن نہ تو چیونٹی نظر آئی اور نہ کوئی واقعہ پیش آیا۔ آہستہ آہستہ وُہ پُرسکون ہوتے گئے۔

"میرا خیال ہے۔ فائر بریگیڈ کی گاڑیوں کو واپس بھیج دیتے ہیں۔"

"ہاں! ٹھیک ہے۔" بیگم جمشید بولیں۔

اکرام باہر نکل گیا۔ عین اس وقت بیگم جمشید کو چیونٹی

نظر آ گئی ۔ اُن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ۔ وُہ چلائیں :

"اکرام ۔ جلدی آؤ ۔ یہ رہی چیونٹی ۔"

اکرام نے ان کی آواز سُن لی ۔ وُہ دوڑ کر اندر آیا ۔ بیگم جمشید لائبریری کے سامنے کھڑی تھیں ۔ اور ان کی نظریں اندر ایک جگہ پر تھیں ۔ ان کی آنکھوں سے بے تحاشا خوف جھانک رہا تھا ۔

اکرام نے اس سمت میں دیکھا ۔ چیونٹی ایک کتاب پر تھی ۔ دیکھتے ہی دیکھتے وُہ غائب ہو گئی اور کتاب میں اس جگہ سوراخ نظر آنے لگا :

"وُہ ۔ وُہ کتاب میں گھس گئی ہے ۔"

"ہاں ! میں دیکھ چکا ہُوں ۔ ہمیں فائر بریگیڈ والوں کو اندر بُلا لینا چاہیے ۔ تاکہ اگر آگ بھڑک اُٹھے تو پانی اُٹھائے پہلے سے موجود ہوں ۔"

"لیکن ۔ خبر میں لکھا ہے ۔ کہ اس آگ کو پانی سے بجھایا نہیں جا سکا تھا ۔"

"خیر ۔ ہم کاربن ڈائی آکسائیڈ کا انتظام کر لیتے ہیں ۔ ایک آدھ آگ بجھانے کا آلہ تو یہاں موجود ہو گا ۔"

"ہاں ! موجود ہے ۔ زینے کے ساتھ ۔"

اکرام نے اپنے ایک ماتحت کو اشارہ کیا اور وُہ

آگ بجھانے والا آلہ اُٹھا لایا ، لیکن الماری میں آگ نہ لگ سکی :

"آگ نہیں لگی ۔ اس کا مطلب ہے ۔ یہاں والی چیونٹی کا پروگرام آگ لگانے کا نہیں ہے ۔" اکرام نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا ۔

"تب پھر ۔ وُہ کیا کرنا چاہتی ہے ؟"

"پپ ۔ پتا نہیں ۔ میں کس طرح بتا سکتا ہُوں ۔"

"وُہ ۔ وُہ اس کتاب میں گھسی تھی ۔" بیگم جمشید بولیں ۔

"ہاں ۔" اکرام نے کہا اور پھر ڈرے ڈرے انداز میں اس کتاب کو اُٹھا لیا :

"ارے ! اتنی ہلکی کتاب ۔"

"ہلکی کتاب ۔ کیا مطلب ۔ اتنی تو موٹی ہے ۔"

اکرام نے مارے حیرت کے کتاب کو کھول کر دیکھا ۔ اور پھر ان کے منہ سے چیخیں نکل گئیں ۔ کتاب اندر سے بالکل کھوکھلی ہو چکی تھی ۔ یُوں لگتا تھا جیسے اسے اندر ہی اندر دیمک چاٹ گئی ہو ۔ جب کہ ابھی چند سیکنڈ پہلے ہی وُہ چیونٹی اس کتاب میں داخل ہوئی تھی ۔

"یہ ۔ یہ تو ساری کتابیں تباہ کر کے رکھ دے گی ۔" بیگم جمشید بولیں ۔

"ہاں! میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔" سب انسپکٹر اکرام نے کہا۔

"تب پھر کیا کیا جائے؟"

"ان کتابوں کو الماری سے نکال نکال کر ادھر اُدھر رکھنا شروع کر دیتے ہیں۔"

"لیکن اس پورے کمرے میں تو کتابیں ہی کتابیں ہیں اور اس قدر نایاب کتابیں کہ ان کو جمع کرنے کے لیے نہ جانے کس قدر تکلیف اٹھانا پڑی ہو گی اور کس قدر سرمایہ لگانا پڑا ہو گا۔"

"ہاں! لیکن ہم اس کے سوا کیا کر سکتے ہیں۔"

"اچھا اکرام۔ کوئی اور کتاب اٹھانا ذرا۔" بیگم جمشید نے کہا۔

اکرام نے اس کے ساتھ والی کتاب اٹھائی۔ وہ بھی کھوکھلی تھی۔ اب تو وہ جلدی جلدی کتابیں نکالنے لگا، لیکن جس کتاب کو بھی وہ ہاتھ لگاتا چلا گیا۔ وہی کھوکھلی ملتی چلی گئی۔

"اُف مالک۔ آخر اس چیونٹی کی رفتار کس قدر ہے۔ یہ تو ان کی آن میں کتابیں ضائع کیے دے رہی ہے۔"

"شکر کریں۔ ابھی صرف کتابیں ہی ضائع کر رہی ہے۔

سیٹھ شوکت شاری کی تو کوٹھی راکھ کا ڈھیر بن گئی ہے۔ ایک روپے کی چیز بھی نہیں بچائی جا سکی۔"

"تو پھر۔ اس کا ارادہ اب ایسا کرنے کا نہیں ہے۔"

"شاید یہاں کوئی اور پروگرام ہے۔"

"صرف لائبریری کا تباہ ہو جانا بھی کوئی معمولی حادثہ نہیں ہو گا اکرام۔" بیگم جمشید بولیں۔

"میں سمجھتا ہوں۔" اس نے سر ہلایا، پھر بولا:

"لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔ چیونٹی پر ابھی تک ہم وار نہیں کر سکے۔"

"آخر یہ چیونٹی ہے کیا بلا؟"

"یہ بعد کی بات ہے۔ اس پر غور کر لیا جائے گا، پہلا کام تو یہ ہے کہ اس سے ہم گھر کو کس طرح بچائیں۔"

"اس وقت ان لوگوں کو بھی گھر سے جانا تھا۔ ورنہ اب تک ان کے ساتھ پروفیسر صاحب بھی ہوتے۔ شاید وہ کچھ کر ہی لیتے۔"

"اللہ پر بھروسا رکھیں۔ ہو گا تو وہی جو اللہ چاہیں گے۔"

وہ کتابیں ہٹاتے ہٹاتے تھک گئے، لیکن کوئی ایک کتاب بھی درست حالت میں نہ مل سکی۔ ان پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔ تھک ہار کر وہ لائبریری سے

باہر نکل آئے:

"ہم ان کتابوں میں سے شاید ایک کتاب کو بھی محفوظ نہیں رکھ سکتے۔"

"انھیں کس قدر رنج ہو گا۔ اکرام۔ کس قدر رنج ہے" بیگم جمشید بولیں۔

"اور چیونٹی ابھی گھر میں ہے۔ کم از کم اسے تلاش کر کے مار ہی ڈالیں۔" اکرام نے جلدی جلدی کہا۔

ایک بار پھر انھوں نے چیونٹی کی تلاش شروع کر دی۔ سادہ لباس والے بھی ان کا ساتھ دے رہے تھے۔ وہ تیزی سے اِدھر اُدھر تلاش کر رہے تھے، لیکن چیونٹی کی ایک جھلک تک دکھائی نہ دی۔ آخر وہ تھک کر بیٹھ گئے۔ اب اس کے سوا کیا بھی کیا جا سکتا تھا۔

"میرا خیال ہے۔ وہ اپنا کام کر کے نکل گئی۔"

"اور اب کسی اور گھر کو تباہ کر رہی ہو گی۔"

"ارے۔ وہ دیکھیے۔" ایک سادہ لباس والا چلّایا۔

انھوں نے فوراً اس طرف دیکھا۔ اور حیران رہ گئے۔ چیونٹی سامنے آتش دان پر بیٹھی تھی۔

اکرام فوراً اس کی طرف لپکا۔ اُس نے اپنا جوتا اُتار لیا اور پوری قوت سے چیونٹی پر دے مارا۔ جونہی اس

نے جوتا ہٹایا۔ اس کی سٹی گم ہو گئی۔ چیونٹی کا بال بھی بیکا نہیں ہوا تھا۔ وہ جوں کی توں موجود تھی۔ جوتا ہٹنے کے بعد وہ پھر چلنے لگی۔ اکرام نے اسے جوتے کے نیچے رکھ کر دباؤ ڈال دیا۔

اچانک اس کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکلی۔

دھم

وہ گھر سے نکل کر سیدھے ہوٹل شان کی طرف روانہ ہوئے، خبر میں درج تھا کہ سیٹھ شوکت شادی کا گھرانہ اب ہوٹل شان میں رہائش پذیر ہے۔

"اب تو مجھے بھی اس چیونٹی کو دیکھنے کا شوق پیدا ہو گیا ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ ہم بہت جلد اسے دیکھ سکیں گے۔" محمود نے کہا۔

"اگر ایسی دو چار چیونٹیاں اور شہر میں آ گئیں۔ تو کیا ہوگا۔ سوچنے والی بات تو یہ ہے۔"

"ارے ہائیں۔ یہ ۔ یہ کیا ۔ رو ۔ روکیے ابا جان۔ جلدی۔" فرزانہ کی گھبرائی ہوئی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔ انسپکٹر جمشید نے فوراً کار سڑک کے کنارے کرکے روک لی۔

"کیا بات ہے۔ خیر تو ہے؟" انھوں نے مڑ کر دیکھا

اور حیران رہ گئے۔

فرزانہ کے چہرے پر بلا کا خوف طاری تھا۔ اور اس کی نظریں اپنے پیروں کے قریب ٹکی ہوئی تھیں۔ انھوں نے فوراً ادھر دیکھا اور دھک سے رہ گئے۔ وہاں ایک عدد چیونٹی موجود تھی۔

"اُف! یہ یہاں بھی موجود ہے۔ کمال ہے۔" محمود بولا۔

"ٹھہرو بھئی ۔ میں اسے زندہ پکڑوں گا۔"

انھوں نے جیب سے سٹیل کی ایک چھوٹی سی ڈبیا نکالی اور ڈبیا کو کھول کر چیونٹی کو اس میں ڈالنا چاہا۔ ایسا کرنے کے لیے انھوں نے چابی کا سہارا لیا۔ ڈبیا کو کار کے میٹ پر رکھا، اس کا سرا نیچے لگایا اور چابی سے چیونٹی کو دھکا دیا۔ وہ ڈبیا میں چلی گئی۔ انھوں نے ڈبیا کو بند کر دیا۔

"لیکن دوسرا لمحہ حیران کن تھا۔ چیونٹی فوراً ہی ڈبیا سے نکل آئی اور اب ڈبیا میں ایک عدد سوراخ تھا۔ وہ چند لمحے ڈبیا پر بیٹھی رہی، پھر کار کے شیشے میں سے سوراخ کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔ انھوں نے دیکھا۔ وہ اڑ کر گئی تھی۔

"یہ ۔ یہ چیونٹی نہیں۔" انسپکٹر جمشید چلائے۔

"جی - چیونٹی نہیں - تو پھر؟"

"آؤ - پہلے اس کو تلاش کریں - وہ ہے کہاں؟"

عین اس وقت انھوں نے شُوں کی آواز سُنی -

"ہائیں - یہ تو ٹائر میں سے ہوا نکل رہی ہے۔"

"وہ تو ابھی ہماری بھی ہوا نکالے گی۔" فاروق نے بُرا سا مُنہ بنایا۔

"کیا مطلب - کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ یہ کام چیونٹی کا ہے - یعنی ٹائر میں اس نے سوراخ کیا ہے۔" فرزانہ بولی -

"تو اور کیا - میں نے کیا ہے۔" اس نے آنکھیں نکالیں۔

"دھت تیرے کی - تم میں یہ طاقت کہاں؟" محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا -

وہ کار سے نیچے اُترے ہی تھے کہ انھوں نے دوسرے ٹائر کی ہوا کے نکلنے کی آواز سُنی :

"اب کم ازکم ہم اپنی کار میں ہوٹل تک جا نہیں سکتے۔"

"خیر کوئی بات نہیں - اسے ٹائروں پر زور آزمائی کرنے دو - آؤ ہم ٹیکسی میں چلیں۔" انسپکٹر جمشید بولے -

"لیکن آپ تو اس کو زندہ پکڑنے کی بات کر رہے تھے۔" فرزانہ نے گویا یاد دلایا -

"ہاں ! کر تو رہا تھا - لیکن اب اس کو تلاش کرنے

میں وقت ہی ضائع ہو گا - جب کہ وہ ہمارا وقت ہی ضائع کرنے پر تُلی ہوئی ہے۔"

"حیرت ہے - اس کو بھی تلنے کی ضرورت پیش آ گئی۔" فاروق نے کہا -

انھوں نے گاڑی کو بند کر دیا اور ایک ٹیکسی میں ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے ، لیکن فوراً اس ٹیکسی کا بھی ٹائر پنکچر ہو گیا :

"اوہ ! معاف کیجیے گا جناب - ٹائر پنکچر ہو گیا۔"

"کوئی بات نہیں - اس میں معافی مانگنے کی کیا بات ہے - یہاں تک کا کرایہ لے لیں - ہم کوئی اور ٹیکسی پکڑ لیتے ہیں۔"

"ابھی صرف پانچ منٹ میں میں ٹائر چڑھا لوں گا۔"

"چڑھا تو لیں گے ، لیکن اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ دوسرا ٹائر بھی پنکچر نہیں ہو جائے گا۔"

"جی - کیا مطلب - ایسا کس طرح ہو سکتا ہے۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی -

"پہلی بات تو یہ بڑے بھائی کہ ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا - دوسری بات یہ کہ ابھی ابھی ہماری اپنی کار کے دو ٹائر یکے بعد دیگرے فوت - میرا مطلب

ہے — پنکچر ہوئے۔"

عین اس وقت شوں کی آواز سنائی دی :

"لیجیے — آپ کا بھی ایک ٹائر اور گیا — اب تو آپ ہمیں پانچ منٹ بعد نہیں لے جا سکیں گے۔" فاروق نے ہنس کر کہا۔

"ن — نہیں۔" وہ حیران ہو کر بولا۔

بیس روپے اس کے ہاتھ میں تھما کر وہ آگے بڑھے اور ایک اور ٹیکسی روکی :

"ہوٹل شان چلو بھئی۔"

"اوکے سر۔" اس نے کہا اور ٹیکسی آگے بڑھا دی — ابھی چند سیکنڈ ہی ٹیکسی چلی ہو گی کہ پھر شوں کی آواز نے استقبال کیا :

"لو بھئی — ٹائر پنکچر ہو گیا۔"

"کوئی بات نہیں سر — میں ابھی ٹائر چڑھا دیتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"مشکل ہے — آپ ہمیں اجازت ہی دے دیں — اسی میں آپ کا بھلا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"جی — کیا مطلب ؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اگر آپ نے ہمیں اجازت نہ دی تو پھر آپ کا دوسرا

ٹائر بھی پنکچر ہو جائے گا۔"

"یہ کیا بات ہوئی اور یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہ بات بھی ہوئی ہے اور یہ ہو بھی سکتا ہے — لیکن بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی — لہٰذا یہ لیں بیس روپے اور ہم چل دیے۔"

"ارے ارے — رکیے صاحب — آپ بیس روپے کیوں دے رہے ہیں ؟"

"تو اور کیا دیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ابھی تو آپ نے چند میٹر فاصلہ طے کیا ہو گا — آپ یہ بیس روپے واپس لیں۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"اچھی بات ہے — اس کا مطلب ہے — ابھی شہر میں اچھے ڈرائیور موجود ہیں۔"

عین اس وقت پھر شوں کی آواز سنائی دی —

"دیکھا — ہم نے کیا کہا تھا۔"

"یہ — یہ کیا ہوا — کیا آپ جادوگر ہیں ؟"

"ہم تو جادوگروں پر لعنت بھیجنے والے ہیں۔" محمود نے فوراً کہا —

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"ہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے — یہاں سے کچھ فاصلے

پر ہماری کار کھڑی ہے ۔ اس کے دو ٹائر پنکچر ہیں ۔ اس
کے بعد ذرا کم فاصلے پر ایک ٹیکسی کھڑی ہے ۔ اس کے
بھی دو ٹائر پنکچر ہیں ۔ اور اب یہ آپ کی ٹیکسی کھڑی
ہے ۔ اس کے بھی دو ٹائر پنکچر ہیں ۔ اور اگر ہم نے
کوئی اور ٹیکسی روکنے کی کوشش کی ۔ تو اس کے بھی دو
ٹائر پنکچر ہو جائیں گے ۔ گویا اب ہمیں پیدل ہوٹل
شان تک جانا ہو گا۔"

"پپ ۔ پیدل ۔ لیکن جناب وہ تو ساحل سمندر پر
واقع ہے اور ساحل سمندر یہاں سے صرف بیس کلو میٹر
دور ہے۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"تب پھر آپ ہی بتائیں ۔ ہم کیا کریں؟"

"ایک اور ٹیکسی پکڑ لیں ، کیونکہ یہ ایک اتفاق تو ہو
سکتا ہے ۔ اور ضروری نہیں کہ چوتھی گاڑی کے ساتھ بھی
وہ اتفاق ضرور ہو۔"

"ہوں ۔ خیر ۔ ہم آپ کا مشورہ بھی مان کر دیکھ لیتے
ہیں ، لیکن آپ نہیں جانتے ۔ ہمارا واسطہ ایک عدد چیونٹی
سے اس وقت پڑا ہوا ہے۔"

"جی ۔ کیا فرمایا ۔ چیونٹی سے؟"

"ہاں ! کل تک یہ سارا شہر اس چیونٹی سے خوف زدہ

نظر آئے گا ۔ فکر نہ کریں۔"

"پتا نہیں ، آپ کیا کر رہے ہیں۔"

"آپ اخبار پڑھتے ہیں؟" فاروق نے کہا۔

"کبھی کبھی۔" اس نے فوراً کہا۔

"اچھا کرتے ہیں ، کبھی کبھی پڑھتے ہیں ۔ جو روز پڑھتے
ہیں ، وہ تو مصیبت مول لیتے ہیں ۔ جیسے ہم لے چکے
ہیں ۔ نہ ہم اخبار میں اس چیونٹی کے بارے میں خبر
پڑھتے ، نہ چیونٹی ہمارے ۔ ارے۔" فاروق کہتے کہتے
رک گیا ۔

"کیوں ۔ کیا ہوا ۔ اوٹ پٹانگ باتوں کی گاڑی رک
کیوں گئی؟"

"مجھے ابھی ابھی ایک خیال آیا ہے ۔ اور وہ یہ کہ
اگر ہمارے ساتھ یہاں یہ ہو رہا ہے تو ہمارے گھر میں
کیا نہیں ہو رہا ہو گا۔"

"اوہ ۔ اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

پھر انسپکٹر جمشید ایک دکان میں گھس گئے ۔ انھوں نے
پریشانی کے عالم میں گھر فون کیا ۔ دوسری طرف سے
فوراً ہی بیگم جمشید کی آواز سنائی دی اور پھر ان کی آواز سن
کر تو انھوں نے چیخ کر کہا:

"فوراً گھر آ جائیے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا گیا۔

"اُدھر بھی گڑ بڑ ہے۔ اب ہم ہوٹل شان پھر کبھی جائیں گے۔ پہلے اپنے گھر کی خبر لے لیں۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"یا اللہ رحم۔ آخر یہ سب ہو کیا رہا ہے؟" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔

"آؤ جلدی کرو۔"

انسپکٹر جمشید ایک ٹیکسی کی طرف لپکے۔

"لیکن ٹیکسیاں تو پہلے ہی بے کار ہوتی جا رہی ہیں۔" محمود بولا۔

"شاید گھر کی طرف جانے والی گاڑی کو وہ بے کار نہ کرے۔" انسپکٹر جمشید نے خیال ظاہر کیا۔

وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ اس بار کچھ نہ ہوا اور وہ گھر کے سامنے پہنچ گئے، لیکن یہاں ان کے لیے حیرت ہی حیرت تھی۔

بیگم جمشید اور اکرام باہر کھڑے نظر آئے۔ اکرام کے کچھ ماتحت بھی پریشانی کے عالم میں کھڑے تھے۔ اکرام کے دائیں ہاتھ سے خون بہ رہا تھا۔

"کیا ہوا؟"

"ہمارا گھر۔ گر رہا ہے۔ لائبریری کی تمام کتابیں کھوکھلی ہو چکی ہیں اور اب چھتوں کی باری آ چکی ہے۔ پہلے ایک چھت گری تھی۔ ہم فوراً باہر نکل آئے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہم نے دوسری چھت کے گرنے کی آواز سنی ہے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔ اندر تو بہت اہم کاغذات بھی موجود ہیں۔"

"لیکن سر! ہم کیا کر سکتے ہیں۔ کسی نظر آنے والے دشمن سے تو ہم لڑ سکتے ہیں، لیکن نہ نظر آنے والی طاقت کے خلاف کیا کریں۔ آخر ہم اس گھر کو تباہ ہونے سے کس طرح بچائیں۔" اکرام نے جلدی جلدی کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن میں اندر جا کر کاغذات کو بچانے کی کوشش ضرور کروں گا۔"

"نہیں نہیں سر۔ آپ اس طرح بہت بڑا خطرہ مول لیں گے۔" اکرام چلایا۔

"تم نہیں جانتے۔ وہ کاغذات کس قدر قیمتی ہیں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے اندر کی طرف دوڑ لگا دی :

"رُک جائیے ابا جان — رُک جائیے۔" فرزانہ نے چلّا کر کہا۔

لیکن انھوں نے جیسے اس کی آواز سُنی تک نہیں، اندر گھس گئے :

"اب ہم یہاں کھڑے رہ کر کیا کریں گے — ہم بھی اندر چلتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"حماقت نہ کرو — ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے — اور اُلٹا ان کے لیے مسئلہ بن سکتے ہیں۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"میں بھی یہی کہوں گا — آپ لوگ اندر نہ جائیں۔" اکرام نے کہا۔

"ہرگز نہیں — کم از کم میں نہیں رک سکتا۔" محمود نے کہا اور دوڑ لگا دی۔

"تب پھر میں رک کر کیا کروں گا۔" فارُوق نے کہا۔

"میں بھی آ رہی ہوں — فارُوق۔" فرزانہ بولی۔

"یہ پاگل پن ہے۔" اکرام بڑبڑایا۔

"انھیں نہ روکو اکرام — یہ نہیں رک سکتے۔" بیگم جمشید کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

عین اسی وقت دھڑام کی آواز آئی — گویا کوئی اور دیوار یا چھت گری تھی — انسپکٹر جمشید سیدھے اس الماری کی طرف گئے — جس میں وہ کاغذات تھے — انھوں نے دیکھا — الماری راکھ کا ڈھیر بن چکی تھی — اور فائلوں کا کہیں نام و نشان تک نہیں تھا۔

وہ واپس مڑے — دوسری طرف سے محمود، فارُوق اور فرزانہ آ رہے تھے — عین اس وقت ان پر ایک شہتیر گرا — انھوں نے اس سے بچنے کے لیے چھلانگیں لگا دیں اور اوندھے منہ گرے، کیونکہ اسی وقت ایک دیوار ان پر گری تھی — انسپکٹر جمشید نے ایسے میں بھی حوصلہ نہ ہارا — جلدی جلدی وہ اینٹیں ہٹاتے چلے گئے۔

"تم لوگ ٹھیک تو ہو؟" انھوں نے کہا — ابھی تک وہ اینٹوں کے نیچے دبے ہوئے تھے۔

"ہاں ابا جان — بس ہم دب گئے ہیں — یہ — یہ ہمارا گھر — ہمارے گھر کو کیا ہو گیا ابا جان۔" فارُوق بولا۔

"کسی کی نظر لگ گئی ہے بیٹے۔" وہ بولے۔

بلا کی رفتار سے وہ اینٹیں ہٹاتے گئے — انھیں ڈر تھا کہ کہیں کوئی اور دیوار وغیرہ نہ آ گرے — جس جگہ وہ گرے تھے — اس جگہ کی چھت بھی ابھی محفوظ تھی۔

لیکن کسی دم بھی گرنے والی تھی - اس کے گرنے سے
پہلے پہلے انھیں نیچے سے نکالنے میں کامیاب ہونا ضروری
تھا - آخر سب سے پہلے محمود نیچے سے نکلا - اور اس
نے بھی ان کی مدد شروع کر دی، پھر فاروق نکلا - اب
وہ فرزانہ پر سے اینٹیں ہٹا رہے تھے -

"ابا جان - وہ - وہ چھت"

اُنھوں نے نظریں اُوپر اُٹھائیں - چھت چلی آ
رہی تھی :

"یا اللہ رحم"

انسپکٹر جمشید نے کہا اور فرزانہ پر جھک گئے :

"تم دونوں باہر کی طرف دوڑ لگا دو"

"ہم - ہم"

"جاؤ" وہ غرائے -

دونوں باہر کی طرف دوڑ گئے - عین اس وقت
چھت ان پر آ گری، لیکن وہ دیوار میں اڑ کر نیچے
گری تھی - اس لیے ترچھی گری - اور ان کے جسم کو
نہ چھو سکی - اب چھت ان سے صرف چند سنٹی میٹر اُوپر
اٹکی ہوئی تھی - وہ اٹھ بھی نہیں سکتے تھے - انھوں نے
اسی حالت میں لیٹے لیٹے فرزانہ پر سے اینٹیں ہٹانا شروع

کیں اور آخر فرزانہ رینگنے کے قابل ہو گئی - دونوں رینگتے
ہوئے دروازے کی طرف بڑھے - ادھر سے اکرام اور
اس کے ماتحت، محمود اور فاروق چلے آ رہے تھے :

"اندر آنے کی ضرورت نہیں"

انسپکٹر جمشید چلائے - جونہی وہ باہر نکلے - پورا مکان
دھم سے گرا ---

چکر

دوسرے دن کے اخبارات سنسنی خیز خبروں سے بھرے پڑے تھے ۔ جیونٹ نے سب سے پہلے سیٹھ شوکت شاری کی کوٹھی کو تباہ کیا تھا ۔ آگ لگا دی تھی ۔ اس کے بعد انسپکٹر جمشید کی گاڑی کو تباہ کیا تھا ۔ ان کی گاڑی اور تین ٹیکسیاں سڑک پر صرف ڈھانچے کی صورت میں ملی تھیں اور تیسرا نشانہ ان کا اپنا گھر بنا تھا ۔ وہ لوگ اس وقت خان رحمان کے گھر میں موجود تھے اور پروفیسر داؤد بھی شائستہ کے ساتھ وہیں آ گئے تھے ۔

"ہمارا سیٹھ شوکت سے ملنا ضروری ہے ۔ آخر سب سے پہلے جیونٹ نے انھیں کیوں نشانہ بنایا ۔ ہمیں تو خیر راستے سے ہٹانے کے لیے ایسا کیا گیا ہو گا ۔" انسپکٹر جمشید کہہ رہے تھے ۔

"لیکن جمشید ۔ ہم وہاں کس طرح جا سکتے ہیں ۔ ایک گاڑی

تو پہلے ہی تباہ کرا چکے ہیں ۔ ایک گھر بھی ۔ اب جس گاڑی میں بھی تم نکلو گے ۔ وہی تباہ ہو جائے گی ۔"

"اس طرح تو ہم اس کیس میں کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہ جائیں گے ۔"

"تو پھر ہم کر ہی کیا سکتے ہیں ؟"

"ہم ۔ ہم اپنی عقل سے کام لے سکتے ہیں ۔"

"عقل سے ۔ ہاں واقعی ۔ عقل بے چاری کو تو ہم بھول ہی گئے ۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا ۔

"بھولے ہو گے تم ۔ ہم ہرگز نہیں بھولے ۔"

"تو پھر لڑائیے عقل ۔" محمود مسکرایا ۔

"یہ کام فرزانہ کرے گی ۔" فاروق نے فوراً کہا ۔

"پہلے تو آپ فون پر ان سے بات کر لیں ۔" فرزانہ نے کہا ۔

"ہاں ! یہ ٹھیک رہے گا ۔"

انھوں نے ہوٹل شان کے نمبر ملائے اور پھر ہوٹل کے آپریٹر سے سیٹھ شوکت کے کمرے کا نمبر ملانے کے لیے کہا ، جلد ہی سیٹھ شوکت کی آواز سنائی دی :

"ہیلو ۔ جی ہاں ! سیٹھ شوکت شاری بول رہا ہوں ۔"

"اور میں انسپکٹر جمشید ہوں ۔"

"اوہ ! میں آج کا اخبار پڑھ چکا ہوں۔"

"ہم کل آپ سے ملنے کے لیے ہی آ رہے تھے۔ جب گاڑی اور ٹیکیاں برباد ہونا شروع ہوئیں اور پھر ہمیں اپنے گھر میں گڑبڑ کی اطلاع ملی۔"

"یہ سب کیا ہو رہا ہے انسپکٹر صاحب؟"

"ہم اس کیس پر کام شروع کر چکے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ آپ تو مجھے صرف یہ بتا دیں کہ آپ کا دشمن کون ہے۔ کون یہ حرکت کر سکتا ہے۔ یا کسی سے کروا سکتا ہے؟"

"خان جابر۔" انھوں نے فوراً کہا۔

"خان جابر۔ یہ کون ذاتِ شریف ہیں؟" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"انھیں مجھ سے خدا واسطے کا بیر ہے۔ پتا نہیں، کون سے جنم کی دشمنی ہے۔ اعلانیہ کہتے پھرتے ہیں۔ میں سیٹھ شوکت کا بدترین دشمن ہوں اور ایک دن اس کا بیڑا غرق کر کے چھوڑوں گا۔"

"ہوں! یہ صاحب ہیں کون۔ کیا کرتے ہیں؟"

"جاگیردار ہے۔ بہت بڑا۔ ہزاروں ایکڑ زمین ہے۔"

"اوہ! تب تو واقعی بہت بڑا آدمی ہوگا۔"

"کوئی ایسا ویسا۔ ہزار ہا تو اس کے مزارعے ہیں، انھیں اشارہ کرے تو مجھ جیسے کو تو وہ روند ڈالیں۔"

"کیوں، کیا آپ کے پاس ہزار ہا کارکن نہیں ہیں؟"

"کارخانوں میں کام کرنے والے اپنے مالکوں کے لیے جانیں بہت کم دیتے ہیں۔ ہاں، یہ مزارع لوگ یہ کام فوراً کر گزرتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ گویا آپ یہ نہیں بتا سکتے کہ یہ حضرت آپ کے دشمن کیوں ہیں؟"

"نہیں۔ میں نہیں بتا سکتا۔ شاید انھیں خود بھی معلوم نہ ہو۔" سیٹھ شوکت بولے۔

"آپ کا خیال ہے۔ وہ چیونٹی خان جابر کی طرف سے تھی؟"

"میں یہ نہیں کہتا، لیکن یہ چکر اس کا چلایا ہوا ضرور لگتا ہے۔"

"ہوں! ہم ان سے ملیں گے، آپ فکر نہ کریں اور اگر یہ چیونٹی کا چکر ان کا چلایا ہوا ہے تو پھر وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے نظر آئیں گے، خواہ وہ کتنے ہی بڑے آدمی کیوں نہ ہوں۔"

"دیکھ لیجیے۔ آپ بہت بڑا دعویٰ کر رہے ہیں۔"

اس شخص کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیلنا ناکوں چنے چبانا ہو گا۔"

"آپ فکر نہ کریں، ہم تو لوہے کے چنے چبا لیتے ہیں، ناکوں چنے چبانا ہمارے لیے مشکل نہیں ہو گا۔"

"جس روز وہ شخص جیل جائے گا، اس روز میں گھی کے چراغ جلاؤں گا۔" سیٹھ شوکت شاری نے کہا۔

"مشکل ہے جناب۔" فاروق نے کہا۔

"کیا مشکل ہے؟"

"گھی کے چراغ جلانا — اب وہ دور نہیں رہا، جب لوگ گھی کے چراغ جلایا کرتے تھے۔"

"کیوں کیوں! ایسی کیا بات ہو گئی۔" سیٹھ شوکت نے حیران ہو کر کہا۔

"دیسی گھی ملتا ہی کہاں ہے کہ آپ چراغ جلائیں گے۔"

"آپ فکر نہ کریں — میرے پاس بھینسیں ہیں۔" انھوں نے بُرا سا منہ بنایا۔

"فاروق! چُپ رہو — یہ تم کیا لے بیٹھے۔" انسپکٹر جمشید نے اسے ڈانٹا۔

"اس میں بس یہی بُری بات ہے ابا جان، بات بے بات بے تُکی بات شروع کر دیتا ہے۔" محمود مسکرایا۔

ایک آدھ مرتبہ اور لفظ، بات گھسیڑ دیتے ہو جُملے میں۔"

فاروق نے اسے گھورا۔

"یہ کام میں نے تمھارے لیے چھوڑ دیا ہے۔"

"محمود! تم بھی اس کے ساتھ شروع ہو گئے۔" انسپکٹر جمشید جھلا اُٹھے۔

"یہ اس کی بُری عادت ہے — ہر وقت فاروق کی ٹانگ لینے کی کوشش کرتا ہے۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"جب کہ میرے پاس صرف دو ٹانگیں ہیں — کوئی فالتو ٹانگ ہو تو دوں نا۔" فاروق ہنسا۔

"اے! میں یہ نہیں کہ رہی تھی۔" فرزانہ نے فاروق کو گھورا۔

"تم یُوں نہیں مانو گے — میں خان جابر سے ملنے جا رہا ہوں، میرے ساتھ آنا ہے تو آؤ — ورنہ یہیں بیٹھ کر باتیں بگھارتے رہو۔" انھوں نے جھلا کر کہا اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"میری طرف سے انھیں اجازت ہے — بلکہ میں بھی ان کے پاس سے ہٹوں گا نہیں اور ان کی باتیں سُنتا رہوں گا۔" سیٹھ شوکت شاری بولے۔

"جی! کیا فرمایا آپ نے؟" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں

حیرت در آئی۔

"آپ کی باتیں مجھے بہت اچھی لگ رہی ہیں۔"

"ان کی باتوں میں بس یہی تو بڑی بات ہے جناب، ہر کسی کو اچھی لگنے لگتی ہیں۔"

"سوائے ابا جان کے۔" فاروق بول اٹھا۔

"میرے تو پک گئے ہیں کان سنتے سنتے۔"

"دھت تیرے کی — اب تو آپ بھی شریک ہو گئے۔" محمود نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"اوہ ارے ہائیں۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

اور پھر وہ خان جابر کے ہاں پہنچ گئے۔ وہ ایک بھاری بھرکم اور بہت لمبے چوڑے آدمی تھے۔ انھیں دیکھ کر کسی دیو کا گمان ہوتا تھا۔ چہرے پر سختی کے آثار نمایاں تھے۔ انھیں حیرت زدہ انداز میں دیکھتے ہوتے خان جابر نے کہا:

"میرے غریب خانے پر آپ لوگ کیوں تشریف لے آئے۔ اگر کوئی کام تھا تو مجھے فون کر دیا ہوتا۔ ہم کہیں اور ملاقات کر لیتے۔"

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"لوگ شک میں پڑ جائیں گے کہ نہ جانے کیا چکر ہے۔ محکمہ سُراغ رسانی والے مجھ میں کیوں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔" انسپکٹر جمشید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور یہ آپ نے کیا کہا جناب۔ غریب خانے پر۔ اگر یہ غریب خانہ ہے تو پھر امیر خانہ کیسا ہوتا ہو گا۔" فاروق نے خان جابر کی محل نما کوٹھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ سب اللہ کی دین ہے۔"

"لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فضول خرچی سے منع فرمایا ہے۔ اور محل نما کوٹھی پر سوائے فضول خرچی کے مجھے کوئی بات نظر نہیں آ رہی۔" محمود نے پُرجوش انداز میں کہا۔

خان جابر نے حیرت زدہ انداز میں انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا اور بولے:

"یہ میں نے کیا بات سُنی ہے۔ آپ نے اپنے بچے کو ڈانٹا نہیں۔"

"لیکن میں اسے کیوں ڈانٹوں؟"

"انھیں کیا حق ہے میری کوٹھی پر تنقید کرنے کا۔" خان جابر نے کہا۔

"اس نے تنقید نہیں کی ۔ آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنایا ہے ۔ اور اس سے بہتر بات کوئی نہیں کہ ہم دوسروں کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سنا دیں ۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہی ہے ۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے احکامات کو ان لوگوں تک پہنچا دینا ۔ جو یہاں نہیں ہیں ۔ اور اسی طرح بعد میں آنے والوں کو سنا دینا ۔ وہ اپنے بعد میں آنے والوں کو سنا دیں گے ، کیونکہ میرے بعد نبی کوئی نہیں آئے گا۔"

"یہ تو آپ نے تقریر شروع کر دی ۔ آپ تو اس قسم کے معاملات سے شاید ان سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں۔" خان جابر نے کہا۔

"جی ہاں ! انھوں نے یہ سب آخر مجھ سے ہی سیکھا ہے۔" وہ مسکرائے ۔

"خیر ۔ آپ کیسے تشریف لائے ؟"

"ہم نے سنا ہے ۔ آپ کی سیٹھ شوکت شادی سے دشمنی ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ۔ میں اس کا بد ترین دشمن ہوں۔"

"اس دشمنی کی کوئی وجہ تو ہو گی؟"

"وجہ ضرور ہے ، لیکن میں آپ کو بتاؤں گا نہیں"

"وہ کیوں ؟" انھوں نے منہ بنایا۔

"بس ! میری مرضی۔" وہ بولے ۔

"اچھی بات ہے ۔ آپ کو معلوم ہے ۔ ان کی کوٹھی کو آگ لگ گئی ہے۔"

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کوٹھی کو آگ میں نے لگائی ہے؟" خان جابر نے بھنا کر کہا۔

"اس کے امکانات ہیں۔"

"تو پھر جائیے ۔ ثابت کیجیے اور مجھ پر مقدمہ چلائیے ۔ میرے پاس آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تفتیش کے لیے آئے ہیں جناب۔" انسپکٹر جمشید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"آپ کی تفتیش مکمل ہو گئی یا نہیں ؟"

"ابھی نہیں ۔ آپ نے اخبارات میں شائع ہونے والی خبر ضرور پڑھی ہو گی ۔ کوئی شخص بھی اپنے دشمن کے بارے میں شائع ہونے والی خبر پڑھے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"میں نے کب کہا کہ میں نے خبر نہیں پڑھی۔ خبر پڑھی تھی۔ لیکن میں ایسی خبروں سے خوش ہونے والا نہیں ہوں۔"

"تو پھر آپ کس قسم کی خبروں سے خوش ہونے والے ہیں؟" فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

"جس روز مجھے اس کے مرنے کی خبر ملے گی۔ اس روز ضرور میں خوش ہوں گا۔"

"لیکن جناب! موت تو آپ کو بھی آئے گی۔"

"وہ تو سب کو آئے گی۔"

"آخر آپ ان کی موت سے کیوں خوش ہوں گے؟"

"میں نے بتایا نا۔ میں دشمنی کی وجہ نہیں بتاؤں گا۔ آپ سیٹھ شوکت سے کیوں نہیں پوچھ لیتے۔"

"ان کا کہنا ہے۔ وہ نہیں جانتے۔"

"ہائیں۔ کیا کہا۔ وہ نہیں جانتے۔ یہ ایک نمبر کا جھوٹ بولا ہے اس نے۔" خان جابر نے حیران ہو کر کہا۔

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں۔"

"بالکل! لیکن جس طرح میں نہیں بتا سکتا۔ اسی طرح وہ بھی بتانا چاہتا۔"

"خیر۔ اس بات کو چھوڑیے۔ اس چیونٹی کے بارے میں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"میں بھلا کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"اس ساری تباہی کی ذمے دار وہ چیونٹی ہے۔"

"ہو گی! لیکن میرا اس۔ اس۔ بس۔"

خان جابر کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ ان کی [illegible]یں خوف سے پھیل گئیں۔

نہیں

"اُف میرے مالک — یہ تو میرے ڈرائنگ روم میں بھی موجود ہے۔"

"کک — کیا؟"

اُنھوں نے فوراً اس سمت میں دیکھا، جس طرف خان جابر دیکھ رہے تھے — میز پر ایک عدد چیونٹی موجود تھی۔

"آپ فوراً اس طرف آجائیے — میں اس پر فائر کروں گا۔" انسپکٹر جمشید نے چلّا کر کہا۔

وہ یک دم ایک طرف ہٹ گئے — انسپکٹر جمشید نے چیونٹی کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا — میز میں سوراخ ہو گیا، لیکن چیونٹی تھوڑی دُور نظر آئی — انھوں نے دوسرا فائر کیا — ایک سوراخ اور ہو گیا، لیکن چیونٹی اب ایک اور جگہ نظر آ رہی تھی —

"آپ کا نشانہ پختہ نہیں ہے جناب — میں ابھی

نشانچی کو بُلاتا ہوں۔" خان جابر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

خان جابر نے گھنٹی بجائی — اسی وقت ایک مُلازم اندر داخل ہوا:

"گن مین کو بلاؤ — جلدی کرو۔" انھوں نے چلّا کر کہا۔

"او کے سر۔" ملازم گھبرا گیا۔

وہ باہر کی طرف دوڑ گیا اور پھر ایک لمبے قد کا آدمی اندر داخل ہوا؛ اس کے ہاتھ میں کلاشن کوف تھی:

"باگڑو — اس چیونٹی کو دیکھ رہے ہو؟"

"بالکل دیکھ رہا ہوں سر۔" اس نے کہا۔

"اسے نشانہ بنانا ہے — یہ اِنسپکٹر جمشید ہیں — تم نے ان کا نام ضرور سُنا ہو گا۔"

"کیوں نہیں جناب! میں انھیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔" باگڑو بولا۔

"انھوں نے اس چیونٹی پر دو فائر کیے ہیں، لیکن اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے — اب میں نے تمھیں بلایا ہے، کیونکہ تم بہترین نشانے باز ہو۔"

"اوہ! یہ بات ہے۔" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ہیں! یہی بات ہے۔" وہ بولے۔

"تب پھر میں اس چیونٹی کو نشانہ نہیں بناؤں گا سر"

"کیوں! یہ کیا بات ہوئی؟"

"اگر یہ انسپکٹر جمشید صاحب کی فائرنگ کے بعد بھ
زندہ ہے تو باگڑو کی فائرنگ اس کا بال بھی بیکا نہیں
سکتی۔" باگڑو نے کہا۔

"یہ تم کیا کر رہے ہو؟"

"میں بالکل ٹھیک کر رہا ہوں جناب۔ میں انسپکٹر جم
کے مقابلے کا نشانے باز نہیں ہو سکتا۔ یہ تو اس س
میں بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ یہ چیونٹی اگ
ان کی فائرنگ سے بچ گئی ہے تو اس میں ان کے
نشانے کا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ کوئی اور چکر ہے۔"

"تم فائر تو کرو۔"

"نہیں جناب! کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

"اگر تم نے میرا حکم نہ مانا۔ تو میں تمہیں ملازمت سے
نکال دوں گا۔"

"بھئی، کیوں اپنی ملازمت سے ہاتھ دھوتے ہو۔ چیو
پر فائر کرو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"نہیں سر! میں نہیں کروں گا۔ میں جانتا ہوں،

میں آپ کے پاسنگ بھی نہیں۔"

"لیکن بھئی یہ تمہاری ملازمت کا سوال ہے۔"

"کوئی بات نہیں سر۔ ملازمتیں اور مل جائیں گی، لیکن
میں نشانہ بازی کے ایک اتنے بڑے ماہر کے بعد اپنے
نشانے کو نہیں آزما سکتا۔"

"یہ تو عجیب بات ہو گئی۔" خان جابر نے حیرت زدہ انداز
میں کہا۔

"اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"یہ گن مین آج سے فارغ ہے۔"

"میں چیونٹی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔"

"گویا آپ کو اس بات کی کوئی فکر نہیں کہ آپ کی وجہ
سے کوئی آدمی ملازمت سے فارغ کر دیا جائے۔"

"مجھے احساس ہے۔ اور میں انھیں ملازمت دلواؤں گا۔
آپ چیونٹی کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟"

"اس چیونٹی سے میرا کوئی تعلق نہیں، میں نہیں جانتا، یہ
کیا بلا ہے۔ کیا یہ بات حیرت کی نہیں کہ ایک چیونٹی پورے
گھر کو کس طرح آگ لگا سکتی ہے۔ کس طرح تباہ کر سکتی
ہے اور کاروں کو کس طرح بے کار کر سکتی ہے۔"

"ہاں! یہ بات حیرت کی ہے، لیکن ہمارے نزدیک نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ دَور سائنس کا ہے — یہ ضرور سائنس کی کوئی ایجاد ہے، لیکن اس کا استعمال درست نہیں کیا جا رہا — اس کا موجد ضرور شیطانی ذہن کا مالک ہے اور میں اس شیطانی ذہن کے خلاف آج اور اس وقت جنگ کا اعلان کر رہا ہوں — وُہ آپ ہوں یا کوئی بھی ہو — اس چیونٹی کے ذریعے وُہ ضرور میرا یہ اعلان سُن رہا ہے۔"

"پتا نہیں — آپ کیا کہ رہے ہیں۔"

"آپ کو بہت جلد احساس ہو جائے گا کہ میں کیا کہ رہا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"آج آپ میری بات نہیں سمجھ رہے — بہت جلد سمجھ جائیں گے — اب بھی وقت ہے — آپ اپنی اور سیٹھ شوکت کی دشمنی کی بنیاد بتا دیں۔"

"یہ بنیاد آپ اسی سے کیوں نہیں پُوچھ لیتے۔"

"آپ اس چیونٹی کے بارے میں ہی بتا دیں۔"

"بتا چکا ہوں — اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"

"تب پھر — اس نے آپ کی کوٹھی کو کیوں نقصان نہیں پہنچایا۔"

"مجھے کیا معلوم — میں کیا کہ سکتا ہوں۔" انھوں نے بھنّا کر کہا۔

"آؤ بھئی چلیں — یہ حضرت کوئی تعاون کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔" انھوں نے بُرا سا منہ بنایا۔

عین اس وقت ڈرائنگ روم کی میز جلنے لگی۔

"ارے ارے — یہ کیا؟" خان جابر چلّائے۔

"اُف مالک — یہاں بھی وہی کچھ ہونے والا ہے، آپ فوراً گھر کے افراد کو باہر نکال دیں — فائر بریگیڈ کو فون کر دیں۔" انسپکٹر جمشید نے چلّا کر کہا۔

وُہ دوڑ کر باہر نکل آئے — فائر بریگیڈ کو فون کیا گیا۔ ابھی چند منٹ ہوئے ہوں گے کہ آگ بھڑکتی دکھائی دینے لگی — لوگوں نے بالٹیوں کے ذریعے پانی پھینکنا شروع کیا — لیکن آگ اور بھی بھڑکتی چلی گئی — اور جب فائر بریگیڈ والے آئے تو اس وقت عمارت سے شعلے بلند ہو رہے تھے — فائر بریگیڈ والوں نے اپنی کوشش شروع کر دی، لیکن ان کی ایک نہ چلی — عمارت جل کر راکھ بن گئی —

خان جابر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھتے رہے — اچانک بولے:

"اب آپ کیا کہتے ہیں - کیا اس چیونٹی سے میرا کوئی تعلق ہو سکتا ہے؟"

"ہاں! ایسا ہو سکتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے - میں نے اپنی کوٹھی خود جلا ڈالی۔"

"آپ جیسے دولت مند کے لیے اس کوٹھی کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے - خود کو شک سے بچانے کے لیے ایسا کر گزرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔"

"آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔" خان جابر نے جھلا کر کہا۔

"اچھی بات ہے - ہم جا رہے ہیں - اب ہم آپ کے معاملے میں اس وقت تک کوئی بات نہیں کریں گے جب تک کہ آپ کے خلاف ثبوت نہ تلاش کر لیں۔"

"میں اس دن کا انتظار کروں گا۔" انھوں نے ہنس کر کہا۔

وہ وہاں سے سیدھے خان رحمان کے ہاں پہنچے۔ سب لوگ وہاں موجود تھے - پروفیسر داؤد بھی تھے:

"آپ نے چیونٹی کے بارے میں اب تک کیا اندازہ لگایا ہے؟"

"وہ سائنس کی ایک ایجاد ہے - کوئی عام چیونٹی نہیں -

اور یہ چیونٹی ریموٹ کنٹرول ہے - شاید اسے بہت دور سے کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔"

"ہوں"! وہ بولے۔

"اس کے بارے میں مکمل باتیں میں صرف اس صورت میں بتا سکتا ہوں جب تم ایک عدد چیونٹی پکڑ کر مجھے دے دے۔" پروفیسر داؤد نے مسکرا کر کہا۔

"آپ پکڑنے کی بات کر رہے ہیں - ہم لوگ تو اسے چھو بھی نہیں سکتے - اکرام نے اس پر جوتا رکھ کر دباؤ ڈال دیا تھا - وہ اس کے ہاتھ میں سے نکل گئی - اب وہ بے چارہ ہسپتال میں موجود ہے - اور سناؤں - خان جابر کی کوٹھی بھی جل کر راکھ ہو چکی ہے۔"

"کیا!!!" پروفیسر داؤد بہت زور سے اچھلے، ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں -

"کیوں - کیا بات ہے - کیا یہ خبر آپ کے لیے بہت زیادہ چونکا دینے والی ہے۔"

"خبر نہیں - نام - خان جابر کا نام۔"

"خیریت - آپ کو اس کا نام کس طرح معلوم؟"

"وہ بہت خطرناک آدمی ہے - ایک بار میرا اس سے جھگڑا ہوا تھا - بہت دنوں تک اس نے مجھے پریشان کیا

تھا۔" انھوں نے کہا۔

"آپ نے اس وقت ہمیں کیوں نہ بتایا — ہم اس کا ناطقہ بند کر دیتے۔"

"بتاتا کیسے — تم لوگ کسی لمبی مہم پر نکلے ہوئے تھے۔"

"لیکن پروفیسر انکل، لمبی مہمات پر تو ہمیشہ آپ ہمارے ساتھ ہوتے ہیں۔"

"اس مرتبہ میں ساتھ نہیں تھا۔"

"خیر — آپ فکر نہ کریں — ہم اس سے سمجھ لیں گے۔"

"نہیں! اب اس کی ضرورت نہیں — وہ بات تو اب بہت پرانی ہو گئی۔"

"تو کیا ہوا — یاد تو ہے۔"

"نہیں نہیں — میں انتقامی جذبہ اپنے اندر اس حد تک نہیں رکھتا۔"

"خیر تو میں بتا رہا تھا کہ اس کا مکان بھی سیٹھ شوکت کی کوٹھی کی طرح جل کر راکھ ہو گیا — پروفیسر صاحب اس چیونٹی کا کچھ کریں — ورنہ شہر میں ہر طرف خوف ہی خوف دوڑ جائے گا۔"

"میں تو اس کے بارے میں اس وقت کچھ کر سکتا ہوں — جب ایک عدد چیونٹی یہاں میرے پاس موجود ہو۔"

"خیر — ہم ایسا کرنے کی بھی کوشش کریں گے۔"

"ہائیں خان رحمان — تمھارے آتش دان پر کیا بیٹھا ہے۔"

انسپکٹر جمشید زور سے اچھلے۔

"کک — کیا — بیٹھا ہے۔" خان رحمان نے گھبرا کر کہا۔

"چچ — چچ — چیونٹی۔"

"کک — کیا — نہیں۔" خان رحمان چلائے — ان کا رنگ سفید پڑ گیا۔

"ڈر گئے خان رحمان — ایک چیونٹی سے یا گھر کی تباہی سے؟"

"نہ میں چیونٹی سے ڈرا ہوں، نہ اس خیال سے کہ اب میرا گھر تباہ ہو جائے گا — بلکہ میں ڈر اس بات سے رہا ہوں کہ ہمارے شہر میں شروع کیا ہو گیا — یہ چیونٹی کس کس کا گھر تباہ کرے گی۔"

"اب موقع بہت اچھا ہے — پروفیسر صاحب، آپ فوراً اس کا معائنہ کر لیں۔"

"میں معائنہ شروع کر چکا ہوں جمشید — تم اسے کچھ نہیں کہو گے — ہٹ جاؤ سب لوگ ایک طرف۔" پروفیسر داؤد نے جلدی جلدی کہا۔

انھوں نے خورد بین سے چیونٹی کا جائزہ لینا شروع

کیا — چیونٹی بالکل ساکت بیٹھی تھی

"جمشید — ذرا اسے کسی کی مدد سے ہلاؤ جلاؤ۔"

"جی بہتر!" انھوں نے کہا۔

"لک — کہیں یہ — آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔"

"دیکھا جائے گا — اب اس کا جائزہ لینے کا موقع تو ملا ہے، پھر پتا نہیں مل سکے یا نہ۔"

انھوں نے ایک لمبا تنکا لیا اور اس کی مدد سے چیونٹی کو ہلانا چاہا — لیکن تنکا مڑ گیا — چیونٹی اپنی جگہ سے نہ سرکی:

"اس کے لیے تو کسی لوہے کی سلاخ کی ضرورت ہو گی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"نہیں جمشید — تم ایسا نہیں کرو گے — یہ — یہ انتہائی خوفناک ہے — اس میں سے کچھ لہریں، کچھ شعاعیں پھوٹ رہی ہیں — بہت جلد خان رحمان کا گھر ان لہروں اور شعاعوں کی لپیٹ میں ہو گا — اس چیونٹی میں بہت حساس مشینری فٹ کی گئی ہے — اور یہ ریموٹ کنٹرول بھی ہے — اس کو کنٹرول کرنے والا بہت دور کہیں محفوظ بیٹھا ہے — جمشید — جب تک تم اس تک نہیں پہنچ جاؤ گے — اس چیونٹی کی تباہ کاریاں جاری رہیں گی — وہ — وہ دیکھو — خان

رحمان کا گھر جلنے لگا ہے — ارے باپ رے۔"

ان سب کو باہر نکلنا پڑا — ان کے چہرے ستے ہوئے تھے:

"اس طرح تو شہر کے ان گنت مکانات یہ چیونٹی جلا دے گی — اور ہم کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔"

"آپ دیکھ رہے ہیں — ہم کس قدر بے بس ہیں۔"

"لیکن جمشید — ہم اس چیونٹی پر بم باری تو کر ہی سکتے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"تمھارا کیا خیال ہے خان رحمان — کیا بم اس چیونٹی کا کچھ بگاڑ سکے گا — شاید نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آخر کیوں نہیں۔"

"یہ چیونٹی خاص قسم کے مادے سے بنائی گئی ہے — اس مادے کو بم بھی تباہ نہیں کر سکتا۔"

"ہوں — تب پھر پروفیسر صاحب — اب آپ کا کام شروع ہوتا ہے۔"

"میں اپنے ساتھیوں کو ساتھ ملا کر اس چیونٹی پر کام کروں گا — لیکن جمشید — اس کا واحد حل یہی ہے کہ تم اس شخص تک پہنچ جاؤ۔"

"اس تک ہم بغیر کسی سراغ کے کس طرح پہنچ سکتے ہیں،

پہلے ہم سُراغ لگائیں گے، پھر اس تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔"

"تو پھر تم سُراغ لگاؤ۔ ہم چیونٹی۔ ارے۔"

اسی وقت خان رحمان کے گھر سے دُھواں اُٹھنے لگا اور پھر شعلے بلند ہو گئے۔

دوسرے دن کے اخبارات نے شہر بھر میں خوف کی فضا دوڑا دی۔ پورے شہر پر سناٹے کا عالم طاری ہو گیا۔ ہر کسی کے ذہن میں صرف یہ بات تھی کہ۔ اگر چیونٹی اس کے گھر میں بھی گھس آئی تو کیا ہو گا۔ ابھی تک یہ بات بھی معلوم نہیں کی جا سکی تھی کہ چیونٹی کو کنٹرول کرنے والے کا مقصد کیا ہے۔ وہ کیوں شہر کی عمارات کو دھڑا دھڑ جلا رہا ہے۔

اُسی صبح آئی۔جی صاحب کا پیغام انہیں ملا۔ دفتر میں ایک ہنگامی میٹنگ بُلائی گئی تھی۔ اس میں انھیں بھی شرکت کرنا تھی۔ دوپہر کے وقت تمام آفیسر وہاں موجود تھے۔ آخر آئی۔جی صاحب کے آنے پر کارروائی کا آغاز ہوا۔

"شہر میں اس وقت تک پندرہ بڑی عمارات کو اس چیونٹی کے ذریعے آگ لگائی جا چکی ہے۔ ابھی تک مقصد

بھی سامنے نہیں آ سکا۔ کہ وہ نامعلوم شخص ایسا کیوں کر رہا ہے۔ اس طرح تو سارا شہر جل کر راکھ ہو جائے گا۔ نہ اس کے ہاتھ کچھ آئے گا، نہ ہمارے، آپ سب باری باری مشورہ دیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

یہ کہہ کر آئی جی صاحب خاموش ہو گئے۔

"ہمیں اس چیونٹی کو بم کے ذریعے ہلاک کر دینا چاہیے۔" ایک آفیسر بولا۔

"میں یہ مشورہ نہیں دوں گا۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"جی۔ وہ کیوں پروفیسر صاحب؟" آئی جی صاحب نے فوراً کہا۔

"ابھی تک چیونٹی کسی کُھلے میدان میں تو نظر آئی نہیں، بم کہاں مارا جائے گا۔ کیا کسی مکان کے اندر اس پر بم مارا جائے گا؟"

"جہاں اتنے مکانات تباہ ہو رہے ہیں۔ وہاں ایک اس چیونٹی کو ختم کرنے کے لیے بھی سہی۔"

"لیکن اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ چیونٹی ختم ہو جائے گی۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"ختم نہ ہو گی تو کیا ہو گا۔ تجربہ تو ہو جائے گا۔"

"ہوں! ٹھیک ہے۔ ایک تجویز تو یہ طے ہوئی کہ

اب جہاں بھی چیونٹی نظر آئے گی، اس کو بم کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔"

"چلیے ٹھیک ہے، اور دوسری تجویز۔" ڈی آئی جی صاحب نے کہا۔

"انسپکٹر جمشید چیونٹی کے موجد تک پہنچنے کی جلد از جلد کوشش کریں گے۔ یہ پہلا موقع ہے شاید کہ یہ اب تک مجرم کو نہیں پکڑ سکے۔ جب کہ اس سے پہلے یہ یا تو صرف چند گھنٹے میں مجرم تک پہنچ جاتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ ایک دو دن میں۔"

"اس کی وجہ ہے سر۔ اس کیس میں کسی انسان کا کوئی عمل دخل اب تک شامل نہیں ہوا۔ بس ایک عدد چیونٹی نظر آئی ہے۔ اب نہ تو ہم اس کے قدموں کے نشانات لے سکتے ہیں، نہ انگلیوں کے۔ نہ وہ کوئی اور سراغ چھوڑتی ہے۔ جس طرح کہ مجرم عام طور پر چھوڑ جاتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے وضاحت کی۔

"میں تمہیں الزام نہیں دے رہا جمشید۔" آئی جی صاحب مسکرا دیے۔

"شکریہ سر۔ ہم دن رات ایک کر دیں گے، آپ فکر نہ کریں۔ اس سلسلے میں ہم پروفیسر صاحب سے مدد کی درخواست

کریں گے۔ میں یہ بات جان چکا ہوں۔ ہم ان کی مدد کے بغیر اس کیس میں کوئی کامیابی ہرگز حاصل نہیں کر سکتے۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ تم پوری طرح آزاد ہو۔ جو چاہے کرو۔" آئی جی صاحب نے کہا۔

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔ آئی جی صاحب نے فوراً ریسیور اٹھایا۔ اور پھر پروفیسر داؤد کی طرف بڑھا دیا۔ انھوں نے دوسری طرف کی بات سنتے ہی چیخ کر کہا:

"نہیں!"

اور پھر ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

بم مار سکتا ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔
"تو پھر یہ میٹنگ انھی الفاظ پر ختم ہوتی ہے — اب ہم اپنا کام شروع کریں گے۔" آئی جی صاحب بولے۔
وہ باہر نکل آئے — اپنی اپنی کاروں میں بیٹھے اور ادھر روانہ ہوئے۔ انسپکٹر جمشید، خان رحمان اور پروفیسر داؤد خان رحمان والی بڑی گاڑی میں بیٹھ گئے۔
"یہ شام فرشوری کون صاحب ہیں؟" فرزانہ نے اُلجھن کے عالم میں کہا۔
"وزیر ہیں ایک عدد — ملک میں کہیں بھی کوئی توڑ پھوڑ نہ ہو — یہ ان کی ذمے داری بنتی ہے — اسی لیے اس میٹنگ میں یہ بھی شریک تھے — ان کے عہدے کا نام ہے — وزیر برائے امن۔"
"اوہ! کیا یہ کوئی نئی وزارت بنائی گئی ہے۔"
"ہاں! موجودہ حالات کے پیشِ نظر — بموں کا دور ہے نا — پوری دُنیا آج کل دھماکوں کی لپیٹ میں ہے۔"
"ہوں! مجھے اُلجھن اسی لیے ہو رہی ہے — کہ انھوں نے تجربہ گاہ پر بم مارنے کی تجویز جو پیش کی ہے۔"
"لیکن اس میں اُلجھن کی کیا بات، یہ چیز تو خود اس اجلاس میں طے کی گئی ہے۔" پروفیسر بولے۔

اصل حملہ

"کیا بات ہے انکل — خیر تو ہے؟" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔
پروفیسر داؤد نے ریسیور رکھ دیا — فرزانہ کی طرف غمگین مسکراہٹ ڈالی اور پھر بولے:
"میری تجربہ گاہ پر دس چیونٹیوں نے حملہ کر دیا ہے، سب لوگ وہاں سے باہر نکل آئے ہیں۔"
"اوہ — اوہ۔"
"اور اب شاید ہم تجربہ گاہ کو کسی طرح بھی نہیں بچا سکتے۔" پروفیسر داؤد نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔
"تو پھر کیوں نہ تجربہ گاہ پر ہی بم پھینک کر تجربہ کر لیا جائے۔" کسی نے کہا۔
"ضرور کیوں نہیں — مجھے شام فرشوری کا مشورہ پسند آیا، میں سرکاری عملے کو اجازت دیتا ہوں — وہ تجربہ گاہ پر

"اس کے باوجود میں اُلجھن محسوس کر رہی ہوں۔"

"اوہ خیر — تم کیا چاہتی ہو؟"

"شام فرشوری کی نگرانی۔" اس نے کہا۔

"او کے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے، پھر انہوں نے اکرام کو فون کیا:

"ہیلو اکرام — ایک نام فوری طور پر نوٹ کر لو — شام فرشوری۔"

"جی بہتر! میں سمجھ گیا۔" اس نے کہا۔

انھوں نے ریسیور رکھ دیا — جلد ہی وہ تجربہ گاہ کے سامنے پہنچ گئے — اس وقت تک یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی کہ پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ پر دس چیونٹیوں نے حملہ کر دیا ہے۔

"اگر ہماری تجربہ گاہ تباہ ہو گئی تو ہم چیونٹی کے خلاف کام کیسے شروع کر سکیں گے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"اللہ مالک ہے جمشید — وہ ایسی ایک درجن تجربہ گاہیں ہمیں مہیا کر دے گا۔" پروفیسر مسکرائے۔

"آپ کچھ زیادہ فکر مند نظر نہیں آ رہے انکل؟"

"زیادہ یا کم فکر مند نظر آ کر میں کیا کر لوں گا۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"جواب بہت معقول ہے۔" محمود نے سر ہلایا۔

"ایک بات کہ دوں پروفیسر صاحب۔"

"ایک کیوں — تم دس کہ دو — تب بھی بُرا نہیں مانوں گا۔"

"ویری گڈ انکل — چلیے ابا جان — دس باتیں پوری کیجیے۔"

"نہیں بھئی — اتنا وقت نہیں ہے میرے پاس۔" وہ گھبرا گئے —

"چلیے پھر ایک ہی سہی۔" فاروق نے مایوسانہ انداز میں کہا —

"جس وقت میٹنگ کے دوران فون آیا تھا — اور آپ دوسری طرف کی بات سن کر زور سے چلائے تھے نا۔" انسپکٹر جمشید نے جملہ درمیان میں چھوڑ دیا۔

"ہاں! بالکل — چلایا تھا۔"

"لیکن — آپ کا وہ چلانا مصنوعی تھا۔"

"جی — کیا مطلب؟" محمود، فاروق اور فرزانہ چونک کر بولے — خان رحمان بھی حیران ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"سامنے دیکھو خان رحمان — ایکسیڈنٹ نہ ہو جائے۔"

"لیکن جمشید! یہ تم نے بات کیا کہی — آخر وہاں پروفیسر صاحب کو مصنوعی طور پر چلانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"پتا نہیں — ضرورت تھی یا نہیں — لیکن میں ایک بات

یقین سے کہ سکتا ہوں۔" انھوں نے پُراسرار انداز میں کہا۔

"اور وُہ کیا؟"

"یہ کہ آپ کو پہلے سے اندازہ تھا کہ آپ کی تجربہ گاہ پر چیونٹیاں حملہ کریں گی۔"

"ہاں جمشید — یہ بات میں اسی روز ہی سمجھ گیا تھا، جب سیٹھ شوکت شادی کا گھر ایک چیونٹی نے جلایا تھا۔ دراصل سیٹھ شوکت سے چیونٹی کی کوئی دشمنی نہیں تھی — نہ کسی اور گھر سے — یہ تو چیونٹی کا موجد چیونٹی کی طاقت اور کارکردگی آزماتا رہا ہے — اصل حملہ تو اس نے اب کیا ہے۔" انھوں نے پُرسکون آواز میں کہا۔

"جی — کیا فرمایا — اصل حملہ؟"

"ہاں! اصل حملہ — تو میری تجربہ گاہ پر کیا جانا تھا — کیونکہ جب تک وُہ میری تجربہ گاہ کو تباہ نہیں کر دیتے، اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

"مہربانی فرما کر وضاحت کریں — ہم بہت زیادہ اُلجھن محسوس کر رہے ہیں۔"

"وُہ جانتا ہے — اس کے راستے کا سب سے بڑا روڑا میں ہوں — اگر اس نے مجھے ختم کر دیا، یا میری تجربہ گاہ کو ختم کر دیا تو پھر اس کا راستا صاف ہے —

پھر اس شہر پر تو کیا — اس پورے ملک پر چیونٹی حکومت کرے گی۔"

"ارے باپ رے — چیونٹیوں کی حکومت۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں ہاں! کہ دو — یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" محمود نے جھلّا کر کہا۔

"اب میں کیا کہوں گا — تم نے کہ جو دیا — ارے ہاں! آپ کیا کہ رہے تھے پروفیسر انکل۔"

"یہ کہ — جس روز شوکت شادی کی کوٹھی جلی تھی — اور ایک چیونٹی کے ذریعے یہ سارا کام ہوا تھا — میں اسی روز فکر مند ہو گیا تھا اور میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ حملہ دراصل مجھ پر ہے۔"

"تو پھر — آپ نے کیا کیا تھا؟"

"میں اس کے سوا کیا کر سکتا تھا کہ حفاظتی انتظامات کر لوں — یہ بات اس شخص کو بھی معلوم تھی — جو چیونٹی کا موجد ہے — کہ میں ہر طرح کے حفاظتی انتظامات کروں گا — لہٰذا پہلے اس نے چیونٹی کی طاقت آزمائی اور کئی گھر تباہ کر ڈالے، جب اسے اندازہ ہو گیا کہ وُہ ٹھیک ٹھاک تباہی کر سکتی ہے — تو پھر اس نے تجربہ گاہ کا رُخ کیا۔"

"اور آپ — آپ نے اس دوران کیا کیا؟"

"میں نے تجربہ گاہ کو ہر طرح سے محفوظ بنانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے — بلاوجہ ہی تو اس وقت تک عمارت تم لوگوں کو جوں کی توں نظر نہیں آ رہی — ورنہ اب تک تو اس سے آگ کے شعلے بلند ہو جانے چاہییں تھے۔"

"اوہ — اوہ — اس صورت میں تو پھر بم کا تجربہ نہیں کرانا چاہیے۔"

"نہیں — چیونٹی کو اپنا زور لگا لینے دو — اور بموں کو اپنا — ہم الگ رہ کر صرف نظارہ کریں گے — اور ہاں آج میں ..." وہ کہتے کہتے رک گئے۔

"آج میں کیا؟" فرزانہ بے تابانہ بولی۔

"اگر تم میرا جملہ مکمل کر دو — تو کچھ انعام دوں گا۔"

"تب پھر اس مقابلے میں میں بھی شریک ہوں۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"جی نہیں — آپ نہیں۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"آپ کا مطلب ہے — صرف ہمیں آپ کا جملہ مکمل کرنا ہے۔" محمود نے کہا۔

"خان رحمان چاہیں تو مقابلے میں شرکت کر سکتے ہیں، لیکن جمشید نہیں۔"

"ہوں! ہم یہ مقابلہ جیتنے کی کوشش کریں گے۔"

"ادھر کس قدر افراتفری مچی ہے — اور ہم ذہانت کے مقابلے کر رہے ہیں — بھئی واہ۔"

انھوں نے دیکھا — تجربہ گاہ کے آس پاس فائر بریگیڈ کی گاڑیاں آ چکی تھیں — اور بم سکواڈ بھی آ چکا تھا — لیکن بم مارنے سے پہلے انھیں لوگوں کو بہت پیچھے ہٹانا تھا — اور اس کام میں کچھ وقت لگنا تھا — لہٰذا فوج کو بھی بلوا لیا گیا تھا اور اب فوجی لوگوں کو پیچھے ہٹا رہے تھے —

"ابھی تک چیونٹیوں نے اپنا کام کیوں شروع نہیں کیا۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

"وہ کام شروع کر چکی ہیں — ارے ہاں — وہ جملہ تو رہ ہی گیا۔"

"میں مکمل کیے دیتی ہوں — اور آج آپ ہمیں چیونٹی بھی پکڑ کر دیں گے۔"

"بھئی کمال ہے جمشید — یہ تو پہنچ گئی۔" پروفیسر داؤد نے حیران ہو کر کہا۔

"یہی نہیں انکل — میں بھی پہنچ گیا تھا۔" محمود نے فوراً کہا۔

"اور میں بھی" فاروق نے کہا۔

"بالکل جھوٹ"

"نہیں فرزانہ — تم تینوں — جھوٹ نہیں بولتے — یہ بات نہ بولو" انسپکٹر جمشید نے اسے ٹوکا۔

"اوہ! لیکن ابا جان — یہ بھی تو دیکھیں کہ..."

"یہ غلط نہیں کہہ رہے — انھوں نے جملہ کاغذ پر لکھ کر جیب میں رکھ لیا تھا"

"ارے! فرزانہ، پروفیسر داؤد اور خان رحمان ایک ساتھ بولے —

"بہت خوب! مان گئے بھئی"

محمود اور فاروق نے اپنی اپنی جیب سے کاغذ نکال کر دکھا دیے —

"ابا جان کے کہنے کے بعد اب دکھانے کی ضرورت نہیں تھی" فرزانہ نے جل کر کہا۔

عین اس وقت سپیکر پر اعلان کیا جانے لگا:

"اب سے صرف دس منٹ بعد بم مارا جائے گا — سب لوگ اپنا اپنا بچاؤ کر لیں — ہم پر ذمے داری نہیں ہو گی — تجربہ گاہ کے اندر کوئی صاحب موجود نہ ہوں"

لوگ اور پیچھے ہٹتے چلے گئے — وہ بھی بہت دور ہٹ آئے —

"لیکن انکل — تجربہ گاہ تو تباہ ہو جائے گی، پھر آپ چیونٹیاں ہمیں کس طرح دیں گے؟"

"بس دیکھتے جاؤ"

اور ٹھیک دس منٹ بعد بم مارا گیا — دھماکے نے آس پاس کی عمارتوں کے شیشے توڑ دیے — دھماکا کان پھاڑ دینے والا تھا، لیکن تجربہ گاہ کا بال بھی بیکا نہ ہوا:

"ارے! یہ کیا" محمود کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"میں نے وہاں یہ بات نہیں بتائی تھی — ورنہ یہ خیال کیا جاتا — کہ میں تجربہ گاہ کو بچانے کے لیے بم مارنے کی اجازت نہیں دے رہا تھا"

"گویا آپ کی تجربہ گاہ کو یہ بم تباہ نہیں کر سکیں گے" محمود بولا۔

"نہیں — ہرگز نہیں"

"اور چیونٹیاں"

"ان کی کوشش ابھی جاری ہے — انھیں بھی اپنا زور لگا لینے دیں اور بموں کو بھی — اس کے بعد ہم اندر

چلیں گے اور چیونٹیوں کو پکڑیں گے۔"

"ویری گڈ — یہ ہوئی نا بات۔"

"لیکن چیونٹیوں کو پکڑ کر تو کام نہیں چلے گا — اصل ضرورت تو چیونٹیوں کے موجد کو پکڑنے کی ہے۔"

"بھئی — اس کی باری بھی آئے گی۔"

یکے بعد دیگرے نو بم اور مارے گئے، لیکن تجربگاہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے — اب بم سکواڈ ان تک آیا — ان کے انچارج نے آگے آکر پروفیسر داؤد سے کہا:

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا سر۔"

"میں نے اس وقت اجازت صرف اس لیے دی تھی کہ لوگ یہ نہ کہیں — میں اپنی تجربہ گاہ کو بچانے کے لیے چیونٹی کو ہلاک کرنے کا موقع ضائع کر رہا ہوں — ورنہ مجھے اس وقت بھی یہ بات معلوم تھی کہ میری تجربہ گاہ بہت بہترین انداز میں بم پروف ہے — اب رہ گئی بات چیونٹیوں کی — تو میں نے ان سے بچاؤ کی تدابیر فوری طور پر کر لی تھیں — خاص طور پر اس وقت جب جمشید کا گھر تباہ ہوا تھا — اس وقت میں سمجھ گیا تھا — میری باری ضرور آئے گی، بلکہ میری باری کے لیے ہی تو یہ سارا چکر چلایا جا رہا ہے۔"

"بہت خوب! اب آئے گا مزا — ہم اندر چلیں گے اور چیونٹیوں سے دو دو ہاتھ کریں گے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

دھوئیں وغیرہ کے اثرات ختم ہونے کے بعد وہ آگے بڑھے اور تجربہ گاہ میں داخل ہو گئے:

"چیونٹیوں کو کس طرح تلاش کریں گے انکل؟"

"تلاش کرنے کی ضرورت نہیں — اس جگہ جامنی رنگ کی روشنی نظر آئے گی — جہاں وہ ہوں گی۔"

"اوہ!" ان کے لہجے میں حیرت تھی —

پروفیسر داؤد آگے بڑھتے چلے گئے — ایک برامدے میں انہیں ایک عجیب منظر نظر آیا —

آنے والا

برامدے کے فرش پر جامنی روشنی ایک دائرے کی صورت میں پڑ رہی تھی۔ اور اس دائرے کے اندر دس عدد چیونٹیاں موجود تھیں، لیکن ان میں کوئی حرکت نہیں تھی۔

"لو جمشید۔ یہ ہیں تمہارا شکار۔"

"جی نہیں! یہ میرا نہیں۔ آپ کا شکار ہیں۔ اس لیے نہیں کہ انھیں آپ نے شکار کیا ہے۔ بلکہ ان کا تو ہم پوسٹ مارٹم بھی نہیں کر سکتے۔"

"خیر۔ اب میں انھیں ایک ڈبیا میں بند کر رہا ہوں۔ جب تک یہ اس جامنی روشنی کی زد میں ہیں۔ یہ کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ پہلے میں آلات کے ذریعے انھیں چیک کروں گا، پھر تمھیں بتاؤں گا کہ یہ آخر کیا بلا ہیں۔"

"اور ان کے موجد کے بارے میں؟"

"اس سلسلے میں ابھی ہمیں بھاگ دوڑ کرنا ہوگی۔"

"او کے پروفیسر صاحب۔ آپ ان پر کام کریں۔ ہم چلتے ہیں۔ کم از کم آپ کی تجربہ گاہ کی طرف سے تو ہمیں بے فکری ہو گئی۔" انھوں نے کہا۔

"میں تو کہتا ہوں۔ تم سب لوگ یہیں آ جاؤ۔ خان رحمان کا دوسرا گھر بھی تو محفوظ نہیں ہے۔ فرض کرو، وہ رات کے وقت وہاں چیونٹیوں کے ذریعے آگ لگوا دیتا ہے۔ اس صورت میں تم لوگ کیا کرو گے۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"خیر! ہم یہاں اٹھ آتے ہیں۔ لیکن فی الحال تو ہم ان چیونٹیوں کو دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"اس وقت یہ بالکل بے کار ہیں، جب تک جامنی روشنی کی زد میں رہیں گی۔ یہ کچھ نہیں کر سکیں گی۔"

"آخر کیوں! اور یہ بات آپ نے کس طرح دریافت کر لی۔" خان رحمان کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"ہر ایجاد سے پہلے اس کی کاغذی تیاریاں مکمل کی جاتی ہیں۔ خیال آرائیاں ہوتی ہیں۔ پھر وہ ایجاد کسی اور شکل میں تیار ہوتی ہے۔ بہت عرصہ پہلے میں نے ایک مضمون پڑھا تھا اور اس مضمون کا نام تھا۔

یموٹ کنٹرول روبوٹ جو چیونٹی کی شکل کے بنائے جا سکیں
گے ۔ اس مضمون کا میں نے بغور مطالعہ کیا تھا ۔ جب
یہ طوفان اُٹھا تو مجھے وہ مضمون یاد آ گیا اور میں نے
پھر اس کو نکال کر پڑھا ۔ بس یوں سمجھ لیں کہ پورا
فارمولا اس مضمون میں درج ہے ۔ صرف بنانے کے
سلسلے میں جو محنت کی گئی ہے ۔ اس کی داد دینا پڑتی
کیونکہ اس قدر چھوٹی جسامت میں ایک روبوٹ تیار
کرنا کچھ آسان کام نہیں تھا ، لیکن کاش ۔ ایجاد کرنے
والا ان چیونٹیوں سے کوئی اصلاحی کام لیتا ۔ یا کم از کم
اپنے ملک کی فوج کے لیے ان چیونٹیوں کو مددگار بنا
دیتا ۔ جنگوں میں تو یہ چیونٹیاں بہت زیادہ کام آ سکتی
ہیں ۔ کتنے ہی فوجیوں کے مقابلے میں ایک چیونٹی کافی ۔
اب ذرا سوچو ۔ ایک چھوٹا سا مُلک چیونٹیوں کے اس لشکر
کے ذریعے ایک بڑے مُلک کی فوج کو لوہے کے چنے
چبوا سکتا ہے ۔ ان کا ناک میں دم کر سکتا ہے۔"

"بھئی واہ ! اب تو ہم اپنی فوج میں ان چیونٹیوں کو
بھی بھرتی کر سکتے ہیں۔"

"لیکن ان کا موجد غلط راستے پر چل نکلا ہے ۔ اس
کا ذہن مجرمانہ ہے ۔ یا پھر جرائم پیشہ لوگوں جیسا ہے،

وہ شہر پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھ رہا ہے ۔ یا پورے
ملک کا حکمران بننے کا خواب۔"

"اوہ ! تو اس کا پروگرام یہ ہے۔" فرزانہ نے کھوئے
کھوئے انداز میں کہا۔

"لیکن آپ نے ان کو کس طرح کنٹرول کر لیا، میرا مطلب
ہے ۔ یہ آپ کی تجربہ گاہ کو کیوں نقصان نہ پہنچا سکیں ؟"

"جونہی یہ اندر داخل ہوئی تھیں ۔ جامنی روشنی نے ان
کا استقبال کیا ۔ جامنی روشنی میں یہ کوئی کام نہیں کر سکتیں،
کیونکہ جن لہروں کے ذریعے ان کو کنٹرول کیا جا رہا ہے،
وہ لہریں جامنی روشنی کی موجودگی میں کام نہیں کرتیں، بالکل
بے کار ہو جاتی ہیں ۔ یہ جامنی روشنی بھی دراصل خاص
قسم کی شعاعوں کا مرکب ہے ۔ اس مرکب کے ملنے سے
یہ رنگ خود بخود بن گیا ہے ۔ اگر ہم عام بلب جامنی رنگ
کا روشن کریں تو وہ ان چیونٹیوں کا کچھ بھی نہیں بگاڑ
سکے گا۔"

"ہُوں ! ہم سمجھ گئے ۔ اس کا مطلب ہے ۔ آپ ان
کا جائزہ بھی اس روشنی میں لیں گے۔"

"مجبوری ہے ۔ ورنہ یہ تو میرا بیڑہ غرق کر دیں گی۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے ۔ آپ تو بال بال بچے۔"

"ارے ہاں! وہ مضمون ذرا مجھے بھی دکھائیں گے آپ
لکھا کس نے تھا؟"

"ضرور دکھا سکتا ہوں، لیکن مضمون تم لوگوں کے
پلے نہیں پڑے گا، کیونکہ وہ خالص سائنس کی زبان ہے
اور اس کو سمجھنے کے لیے بڑے بڑے سائنس دان ہی
کوشش کر سکتے ہیں۔"

"میرے ذہن میں ایک زبردست ترکیب آئی ہے"
ایسے میں فرزانہ نے اچھل کر کہا۔

"حیرت کی بات ہے۔ تم نے پہلے ہی یہ کیسے
جان لیا کہ ترکیب زبردست ہے۔"

"سن لو۔ تم بھی کیا یاد کرو گے۔"

"چلو سناؤ۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"سنیے انکل۔ اس وقت دس چیونٹیاں آپ کی قید
میں ہیں۔ ہیں نا؟"

"ہاں! ہیں۔" پروفیسر داؤد کھوئے کھوئے انداز میں بولے۔

"اگر آپ انھیں باہر دھکیل دیں۔ اور جامنی روشنی ان
پر سے ہٹا لیں تو یہ کیا کریں گی۔ کیا یہ واپس اپنے
ٹھکانے پر جاتی ہیں۔ یا کیا کرتی ہیں۔ بس پہلے کم از
کم یہ تو معلوم ہو۔"

"ترکیب اچھی ہے اور ہم اس پر عمل بھی کریں گے۔"
روفیسر داؤد بولے۔

"کیا آپ یہ روشنی تجربہ گاہ سے باہر بھی لے جا
سکتے ہیں؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ کافی دور تک لے جا سکتا ہوں۔"

"تب تو پہلے یہ تجربہ کر لیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"اس صورت میں خطرہ ہے کہ یہ دس کی دس ہمارے
ہاتھ سے نہ نکل جائیں۔ میں چاہتا ہوں۔ پہلے ان پر
ربات کر لیے جائیں۔ ان کی مشینری کا جائزہ لے لیا
جائے، اس کے بعد پھر ہم انھیں تجربہ گاہ سے باہر
نکالیں گے۔ اور تجربہ کریں گے۔ کم از کم ایک بات
واضح ہو گئی۔ اور وہ یہ کہ ہماری یہ تجربہ گاہ ان چیونٹیوں
سے بالکل محفوظ ہے۔ یہ اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں۔
لہٰذا ہمارے معاملے میں وہ بالکل بے بس ہے۔"

"اور اگر اس نے اس کا بھی کوئی توڑ سوچ لیا۔" انسپکٹر
جمشید بولے۔

"کیا مطلب؟"

"اگر میں اس کی جگہ ہوتا۔ تو آپ کا انتظام کر سکتا
تھا۔" وہ مسکرائے۔

"لگ ۔ کیسے؟"

"اس وقت اس پہلو پر بات کرنے کی ضرورت نہیں
پہلے آپ ان پر تجربات کر لیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

عین اس وقت تجربہ گاہ کے دروازے کی گھنٹی بجی۔
ان کے کان کھڑے ہو گئے:

"یہ ۔ اس وقت کون آگیا؟"

"میں خطرے کی بُو محسوس کر رہا ہوں ۔ پروفیسر صاح
آپ ان چیونٹیوں کو کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دیں ۔ میں در
پر جا کر دیکھتا ہوں ۔ تم لوگ بھی پوزیشن سنبھال لو۔"

"جی بہتر!" تینوں ایک ساتھ بولے۔

پروفیسر داؤد چیونٹیوں والی ڈبیا کو اُٹھا کر اندر
طرف چلے گئے ۔ ان کے ساتھ ساتھ وہ جامنی روش
بھی چلی گئی ۔ انسپکٹر جمشید نے دروازے کا رُخ کیا ۔ مح
فاروق اور فرزانہ مناسب جگہوں میں چھپ گئے ۔ خان رحما
نے ایک الگ جگہ پوزیشن لے لی ۔ ان کے ہاتھ م
ایک عدد پستول تھا۔

انسپکٹر جمشید نے دروازہ کھولا ۔ تو ایک ادھیڑ عمر
آدمی کھڑا نظر آیا ۔ اس کے کندھے پر سفری بیگ

اور کپڑوں پر گرد و غبار کے آثار تھے ، یُوں لگتا تھا جیسے وہ
بہت دُور سے چلا آ رہا ہو۔

"جی فرمایئے۔"

"میں راج بان ہوں ۔ پروفیسر صاحب کا دوست ۔
جی ہاں۔"

"وہ اس وقت تجربہ گاہ میں ہیں ۔ ایک بہت ضروری
تجربہ کر رہے ہیں ۔ ہم آدھ گھنٹے سے پہلے ان کے دروازے
پر دستک نہیں دے سکتے ۔ یہ ہو سکتا ہے کہ خود آدھ گھنٹے
سے پہلے ہی باہر آ جائیں ، لہٰذا ہم آپ کو انتظار گاہ
میں بٹھا دیتے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔" اس نے کہا۔

"شاید آپ بہت دُور سے آئے ہیں؟"

"ہاں! میں مُلک کے دُوسرے سرے پر رہتا ہوں ۔
ابھی ابھی ٹیکسی سے اُترا ہوں ۔ جی ہاں۔"

"آپ بذریعہ ٹرین آئے ہیں شاید؟"

"جی ہاں! مجھے جہاز کے سفر سے بہت ڈر لگتا
ہے ۔ لہٰذا سفر کتنا ہی لمبا کیوں نہ ہو ، میں ٹرین سے
سفر کرتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"آپ کرتے کیا ہیں؟" انھوں نے پوچھا۔

"پہلے یہ بتائیے، آپ کون ہیں؟"

"میں ان کا دوست ہوں — وہ مجھے گھر کے فرد کی حیثیت دیتے ہیں۔"

"آپ کا نام؟"

"نام ہے جمشید احمد۔"

"ہوں! آپ کے بچوں کے نام محمود، فاروق اور فرزانہ تو نہیں ہیں؟"

"آپ نے درست اندازہ لگایا۔"

"شکریہ! دراصل پروفیسر صاحب سے جب ملاقات ہوتی ہے — وہ آپ لوگوں کا ذکر ضرور کرتے ہیں۔" اس نے کہا —

"یہ ان کی محبت ہے۔" وہ مسکرائے۔

پھر انھوں نے اسے انتظار گاہ میں بٹھایا اور خود وہاں سے نکل آئے — انتظار گاہ کا دروازہ خان رحمان کے بالکل سامنے تھا — انھوں نے انھیں چوکس رہنے کا اشارہ کیا اور پھر خود تجربہ گاہ میں گھس گئے —

وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اندر پروفیسر داؤد نہیں تھے:

"ہائیں! آپ کہاں ہیں؟"

"میں احتیاطاً چھپ گیا تھا جمشید۔"

ایک الماری کا دروازہ کھلا اور پروفیسر صاحب اس میں سے باہر نکل آئے — لیکن دروازہ کھلنے سے پہلے وہاں صرف دیوار نظر آ رہی تھی، اس دروازے کا نام و نشان تک دکھائی نہیں دے رہا تھا — ان کے باہر نکل آنے کے بعد جونہی دروازہ بند ہوا — پھر صرف دیوار نظر آنے لگی —

"بہت خوب دروازہ ہے۔"

"بس — ضرورت کے مطابق کچھ انتظامات کر رکھے ہیں میں نے — تم سناؤ — باہر ہر طرح خیریت تو ہے نا؟" پروفیسر داؤد بولے —

"آپ راج بان کو جانتے ہیں؟"

"ہاں، کیوں — کیا وہ آیا ہے؟"

"بالکل وہی آئے ہیں۔"

"وہ تو میرا بچپن کا دوست ہے — لنگوٹیا کہہ لو — لے آؤ جمشید اسے یہیں۔" انھوں نے کہا۔

"جلدی نہ کریں — یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کوئی آپ کے دوست کے میک اپ میں یہاں آیا ہو۔"

"اوہ! تو پھر تم اسے چیک کر لو۔"

"میں اب وہی کام کروں گا۔ آپ اپنا کام جلد از جلد مکمل کرنے کی کوشش کریں۔"

"آدھ گھنٹا اور لگے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آدھ گھنٹے سے پہلے آپ کو پریشان نہیں کروں گا۔ اس وقت تک ہم آنے والے کے بارے میں اطمینان کر چکے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن ذرا سخت سلوک نہ کرنا، کیونکہ اگر وہ واقعی راج بان ہے تو پھر بہت مظلوم اور سیدھا انسان ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں خیال رکھوں گا۔ لیکن یہ آپ کے دوست کرتے کیا ہیں؟"

"اسے تم معمولی پڑھا لکھا نہ سمجھنا۔ مجھ سے زیادہ پڑھا لکھا ہے۔"

"اوہ اچھا۔" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"اگر یہ میرا کہنا مانتا تو آج دُنیا کا سب سے بڑا سائنس دان ہوتا، لیکن اس نے دُنیا سے کٹ کر الگ رہنا پسند کیا۔ مدّت بعد کبھی ملنے کے لیے آجاتا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں صرف یہ چیک کروں گا کہ ان کے میک اپ میں کوئی اور شخص تو نہیں

آ گیا۔"

"ہوں! ٹھیک ہے۔ اس کی اجازت ہے۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

انسپکٹر جمشید وہاں سے نکل کر کمرۂ انتظار میں داخل ہوئے۔ انھوں نے دیکھا۔ مہمان گہری نیند سو رہا تھا۔ ساتھ ہی انھیں ایک اور چیز دیکھ کر شدید حیرت کا جھٹکا بھی لگا۔

بے ہوشی

وہ فوراً باہر نکل آئے اور ان کی طرف بڑھے:

"تم لوگ بھی میرے ساتھ آؤ۔"

"کیا کوئی خاص بات ہے ابا جان؟"

"پروفیسر صاحب کا مہمان میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

"جی کیا مطلب؟"

"پہلے تو میں اس کے بارے میں وہ باتیں بتا دوں جو پروفیسر صاحب نے اس کے بارے میں بتائی ہیں۔" انھوں نے کہا اور ساری بات دہرا دی، اس کے بعد بولے:

"اب میں انتظار گاہ میں گیا ہوں تو وہ حضرت سوئے پڑے ہیں۔"

"دور سے آ رہے ہوں گے۔ تھکے ماندے ہوں گے۔ آنکھ لگ گئی۔ اس میں عجیب بات کیا ہے جمشید؟"

"اس میں عجیب بات واقعی نہیں۔ عجیب بات کسی اور

بات میں ہے۔" وہ مسکرائے۔

"اور وہ کیا بات ہے؟"

"آؤ میرے ساتھ۔" انھوں نے کہا اور انھیں ساتھ لیے انتظار گاہ میں داخل ہو گئے:

"وہ دیکھو۔ مہمان کے کالر پر کیا چیز بیٹھی ہے۔"

انھوں نے کالر کی طرف دیکھا اور حیران رہ گئے۔ کالر پر ایک عدد چیونٹی بیٹھی تھی۔ بالکل ویسی ہی چیونٹی۔ لیکن وہ کوئی حرکت نہیں کر رہی تھی۔ جب کہ اس جگہ جامنی روشنی بھی موجود نہیں تھی۔

"حیرت ہے۔ جامنی روشنی نہ ہونے کی صورت میں تو یہ ہمارے لیے حد درجے خطرناک ہو سکتی ہے۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"لیکن یہ حرکت کیوں نہیں کر رہی؟"

"ہو سکتا ہے۔ جامنی روشنی غائبانہ طور پر اس پر اثر انداز ہو رہی ہو۔" فرزانہ نے خیال ظاہر کیا۔

"اچھی بات ہے۔ تم ذرا جا کر اپنے انکل کو یہ تمام صورتِ حال بتاؤ۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

"آپ انھیں جگائیں تو سہی۔ دیکھیں یہ اس کے بارے

میں کیا کہتے ہیں۔"

" اچھی بات ہے۔" انھوں نے کہا اور راج بان کا کندھا پکڑ کر ہلایا، لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اب انھوں نے اور زور سے ہلایا، لیکن اس نے آنکھیں نہ کھولیں۔

" ایک گلاس میں پانی لاؤ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

محمود گلاس میں پانی لے آیا۔ اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے گئے۔ لیکن اس نے اب بھی آنکھیں نہ کھولیں۔ چیونٹی نے بھی ابھی تک کوئی حرکت نہیں کی تھی۔

" اچھا محمود۔ فاروق۔ اندازہ لگاؤ۔ مہمان کے چہرے پر میک اپ ہے یا نہیں۔"

" میک اپ۔" دونوں نے حیران ہو کر کہا۔

" ہاں! میرا اور پروفیسر صاحب کا خیال یہ ہے کہ شاید راج بان کے میک اپ میں کوئی اور آیا ہے۔"

" اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

انھوں نے چہرے کو بغور دیکھا۔ ٹٹولا بھی، لیکن میک اپ کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔ اسی وقت پروفیسر داؤد اندر داخل ہوئے۔ فرزانہ بھی ان کے پیچھے اندر داخل ہوئی۔

" کک۔ کہاں ہے۔ وہ چیونٹی؟"

" جی۔ یہ رہی کالر پر۔"

پروفیسر داؤد نے عدسے کی مدد سے اس کا جائزہ لیا اور پھر حیران ہو کر بولے:

" یہ چیونٹی بالکل ان جیسی ہے، لیکن اس کا کنکشن اپنے ہیڈ کوارٹر سے نہیں ہے۔"

" جی کیا مطلب؟"

" مطلب یہ کہ رابطہ نہیں ہے اس کا۔"

" لیکن کیوں؟"

" اگر اس کا رابطہ اپنے ہیڈ کوارٹر سے ہوتا تو جونہی یہ اندر داخل ہوئی تھی۔ جامنی روشنی اس کے گرد آموجود ہوتی۔ اس کا انتظام میں نے کر رکھا ہے۔"

" اسی بات پر ہمیں حیرت ہوئی تھی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

" اور اگر اچانک رابطہ قائم ہو جائے۔"

" اس صورت میں جامنی روشنی بھی عین اس وقت اس پر مسلط ہو جائے گی۔"

" تب تو ٹھیک ہے۔ ہمیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔"

" بالکل نہیں۔ لیکن یہ سوئے کیوں پڑے ہیں؟"

" یہ دوسری الجھن ہے۔ ہم نے انھیں جگانے کی

کوشش کی ہے، لیکن یہ ہیں کہ جاگتے ہی نہیں۔"

"اوہو! تب تو ڈاکٹر صاحب کو بلانا ہو گا۔ خان رحمان تم ڈاکٹر صاحب کو فون کرو۔"

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے کہا اور فون کرنے لگے۔

"میک اپ کا اندازہ لگ سکا یا نہیں؟"

"ہمارے خیال کے مطابق میک اپ نہیں ہے؛ تاہم میں اس کام کے ماہر کو بھی بلا کر چیک کرا لیتا ہوں۔ ویسے تو یہ راج بان ہی ہیں نا؟"

"ہاں! حلیے میں کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔" انھوں نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن پروفیسر انکل — یہ کیسا نام ہے۔ کم از کم ہم نے کسی مسلمان کا ایسا نام تو نہیں سنا آج تک۔"

"یہ اعتراض میں نے بھی کیا تھا۔ اس کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ ان کے ماں باپ ہندو تھے — آخر عمر میں وہ مسلمان ہوئے۔ اس وقت وہ بچے تھے، ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی وہ دونوں مر گئے۔ انھوں نے بطور مسلمان کے ہوش سنبھالا — مسلمان کے گھر میں پرورش پائی، لیکن نام راج بان ہی رہ گیا — کسی نے تبدیل نہ کیا — اور خود انھیں بھی اپنا یہی نام پسند رہا — کہتے ہیں —

اس طرح مجھے اللہ کا شکر ادا کرنے کا موقع بار بار ملتا ہے۔ جب بھی خیال آیا ہے کہ میں تو ہندو تھا — اللہ نے مجھ پر بہت احسان کیا ہے کہ مسلمان بنا دیا — لہذا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔"

"ہوں خیر — راج بان ہی سہی — سوال تو یہ ہے کہ یہ نیند کیسی ہے — اور ہاں، آپ نے چیونٹیوں پر کام مکمل کر لیا ہے؟"

"ابھی نہیں — مجھے کام درمیان میں چھوڑ کر یہاں آنا پڑا، ارے۔" انھوں نے چونک کر کہا۔

"کیا ہوا؟"

"سوال یہ ہے کہ راج بان کے کالر پر یہ چیونٹی کیوں ہے؟" انھوں نے کہا۔

"سوال بہت زوردار ہے — اور ہمارے ذہن اسی سوال کو سمجھنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

اور پھر ڈاکٹر صاحب وہاں پہنچ گئے:

"خیر تو ہے؟" انھوں نے اندر داخل ہوتے وقت کہا۔

"یہ صاحب — بے ہوش ہیں — ان کی بے ہوشی ہماری سمجھ میں اب تک نہیں آ سکی — تھوڑی دیر پہلے بالکل ٹھیک ٹھاک یہاں آئے تھے — جلد ہی سوتے نظر آئے — ہم نے

خیال کیا ۔ تھکن کی وجہ سے نیند آ گئی ، لیکن ہماری کو
کے باوجود یہ نہ جاگے ، اس وقت ہم نے خیال ک
یہ نیند نہیں بے ہوشی ہے ۔"

" اچھی بات ہے ۔ میں دیکھتا ہوں ۔ ارے ۔ یہ
کیسی ہے ؟" ڈاکٹر صاحب گھبرا گئے ۔

" اوہ ہاں ! اس چیونٹی کا مسئلہ بھی ہے ۔ ٹھہریے
پہلے تو میں اسے الگ کر دوں ۔" انھوں نے کہا اور با
نکل گئے ۔ جلد ہی واپس آئے تو ایک ڈبیا اور ایک
ان کے ہاتھوں میں تھی ۔ چمٹی کی مدد سے انھوں نے چی
کو پکڑا اور ڈبیا میں بند کر دیا ۔ اب ڈبیا ان کی جیب
میں تھی ۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے مہمان کا معائنہ کیا
اس کی نبض چیک کی ۔ دل کی دھڑکن چیک کی ۔ آنکھوں
پپوٹے اٹھا کر آنکھوں کو بغور دیکھا ۔ پھر دو انجکشن دیے
انتظار کرنے لگے :

" میرے اندازے کے مطابق انھیں پندرہ منٹ میں ہو
میں آ جانا چاہیے ۔"

" ٹھیک ہے ۔" پروفیسر داؤد نے کہا ۔

وہ انتظار کرتے رہے ، پھر پندرہ منٹ پورے

گئے ، لیکن نعمان نے آنکھیں نہ کھولیں ۔

" اب کیا کیا جائے ڈاکٹر صاحب ؟"

" میں خود حیران ہوں ۔ بہرحال انھیں ہسپتال لے کر جانا
پڑے گا ۔"

" یہ تو اور الجھن ہو گئی ہے ۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے ۔

" کیوں ! کیا بات ہے ؟"

" ہم مہمان سے جلد از جلد کچھ سوالات پوچھنا چاہتے
ہیں اور یہ ہیں کہ ہوش میں آ ہی نہیں رہے ۔"

" شاید انھیں کوئی ایسی چیز کھلائی گئی ہے ۔" ڈاکٹر صاحب بولے ۔

" تو پھر ۔ لے چلتے ہیں انھیں ہسپتال ۔" پروفیسر داؤد بولے ۔

" اچھی بات ہے ۔ ہم انھیں لے کر چلتے ہیں ۔ آپ
ان چیونٹیوں پر اپنا کام مکمل کر لیں ۔"

" جی ۔ چیونٹیوں پر ۔ کیا مطلب ؟" ڈاکٹر صاحب زور سے
اچھلے ۔

" آپ چیونٹیوں کے بارے میں تو پڑھ ہی چکے ہیں ۔
پروفیسر صاحب نے کچھ چیونٹیوں کو پکڑا ہے اور اب ان پر
تحقیق کر رہے ہیں ۔"

" لیکن ۔ لیکن انھوں نے پکڑ کس طرح لیں ؟"

" اپنے تجربات کے ذریعے ۔"

"میں ایمبولینس کے لیے فون کیے دیتا ہوں۔ خود میں ہسپتال پہنچ رہا ہوں۔ میں اپنے چند دوستوں کو ساتھ ملا کر انھیں چیک کروں گا۔"

"بہت بہتر۔ شکریہ!"

ڈاکٹر صاحب تو فون کرنے کے بعد چلے گئے۔ اس کے بعد وہ ایمبولینس کا انتظار کرتے رہے۔ آخر ایمبولینس آ گئی۔ انسپکٹر جمشید اور باقی ساتھی مہمان کو لے کر وہاں سے رخصت ہوئے۔ پروفیسر داؤد تجربہ گاہ میں داخل ہوئے اور بہت زور سے اُچھلے۔

خطرے میں

ہسپتال میں راج بان کا معائنہ شروع ہوا، لیکن آدھ گھنٹے کی سر توڑ کوشش کے باوجود ڈاکٹروں کی ٹیم بھی اسے ہوش میں نہ لا سکی۔ اب تو ڈاکٹر سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید کو کچھ خیال آیا۔ انھوں نے فوراً میک اپ کے ماہر کو فون کیا۔ جلد ہی وہ وہاں پہنچ گیا:

"ڈاکٹر صاحبان اپنا کام کر رہے ہیں۔ آپ اپنا کام مکمل کر لیں۔"

"میں سمجھا نہیں۔" ماہر نے کہا۔

انھوں نے جلدی جلدی انھیں بات بتائی۔ وہ سر ہلا کر راج بان کی طرف بڑھ گئے۔ انھوں نے بھی پندرہ منٹ لگائے اور پھر بولے:

"یہ میک اپ میں نہیں ہیں۔"

"ہوں! میرا بھی یہی اندازہ تھا — یہ راج بان ہی ہیں — لیکن انھیں بھیجا گیا ہے ہمیں چکر میں ڈالنے کے لیے۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونک کر بولے۔

"جب سے مسٹر راج بان آئے ہیں، ہم صرف اور صرف انھی کی طرف متوجہ رہے ہیں — اور کوئی کام نہیں کر سکے، یہاں تک کہ کچھ دیر کے لیے پروفیسر داؤد بھی اپنا کام چھوڑ کر اس کی طرف لگ گئے تھے — اور شاید ہمارا دشمن یہی چاہتا تھا — اسی لیے اس نے راج بان کو کسی طرح پروفیسر داؤد کے ہاں جانے پر مجبور کر دیا تھا — اسی نے ایک بے رابطہ چیونٹی راج بان کے کالر پر لگا دی تھی، تاکہ ہم اور اُلجھ کر رہ جائیں، وہ تو ہم نے عقل مندی کی کہ پروفیسر داؤد کو وہیں چھوڑ آئے — آؤ جلدی کرو — کہیں تجربہ گاہ میں کوئی چکر نہ چل گیا ہو۔"

"اوہ اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

پھر وہ افراتفری کے عالم میں دروازے کی طرف بڑھے — عین اس وقت ایک ڈاکٹر نے چلا کر کہا:

"یہ — یہ ہوش میں آ رہے ہیں۔"

وہ رک گئے — اور پھر جلدی سے راج بان کی طرف بڑھے — ان کے جسم میں واقعی حرکت ہو رہی تھی —

"لیکن ابھی انھوں نے آنکھیں نہیں کھولیں۔"

"اب دیر نہیں لگے گی۔"

"لیکن ہم نہیں رک سکتے — ہوش میں آنے پر بھی انھیں یہیں رکھا جائے — ہم جلد لوٹ کر آئیں گے۔"

"بہت بہتر۔" ڈاکٹر نے کہا۔

وہ وہاں سے روانہ ہوئے — انسپکٹر جمشید طوفانی انداز میں کار چلا رہے تھے — آخر وہ تجربہ گاہ کے دروازے پر رکے، پھر کار سے نکلتے ہی اندر کی طرف دوڑے:

"پروفیسر صاحب — آپ خیریت سے تو ہیں۔" انسپکٹر جمشید اندر داخل ہوتے ہی چلائے — جب کہ ابھی کمرہ بہت دور تھا — پروفیسر داؤد کی طرف سے انھیں کوئی جواب نہ ملا —

آخر وہ دوڑتے ہوئے تجربہ گاہ میں داخل ہوئے اور پھر دھک سے رہ گئے — پروفیسر داؤد اندر نہیں تھے:

"پروفیسر انکل! آپ کہاں ہیں؟"

لیکن ان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا — اب وہ رہائشی حصے کی طرف آئے — وہاں شائستہ بے ہوش

پڑی تھی۔ اسے ہلایا جلایا گیا۔ پانی کے چھینٹے دیے گئے
تب کہیں جا کر اس نے آنکھیں کھولیں:
"کیا ہوا تھا شائستہ — ابو کہاں ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے
بے تابانہ انداز میں پوچھا۔
"مجھے کچھ نہیں معلوم — میں تو یہاں بیٹھی ایک کتاب
پڑھ رہی تھی — اچانک مجھے زور دار چکر آیا۔ کوئی بہت
تیز بو محسوس ہوئی تھی اور پھر میں بے ہوش ہو گئی۔"
شائستہ نے بتایا۔
"اوہ! اس کا مطلب ہے، تمھیں کچھ معلوم نہیں۔"
اب وہ پروفیسر داؤد کے ماتحتوں والے حصے میں
آئے، لیکن ان لوگوں کو کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ وہ
پروفیسر داؤد والے کمرے کی طرف آتے ہی نہیں تھے
کہ کچھ پتا ہوتا —
"اس کا مطلب ہے — انھیں اغوا کر لیا گیا۔" محمود
نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔
"اور — وہ — چیونٹیاں۔"
"ارے! ان کو تو ہم بھول ہی گئے۔" انسپکٹر جمشید
اچھل پڑے —
انھوں نے چیونٹیوں کی تلاش شروع کی — اس سلسلے

میں ان کے ماتحتوں سے بھی کام لیا گیا، لیکن ایک
ایک چیز چھان ڈالنے کے بعد بھی چیونٹیوں کا کوئی سراغ
نہ مل سکا:
"بس ثابت ہو گیا — پروفیسر داؤد کو اغوا کر لیا گیا —
چیونٹیاں بھی اڑا لی گئیں۔"
"اُف میرے مالک — اب ہم کیا کریں گے؟" فاروق
نے گھبرا کر کہا۔
"ہم حوصلہ کریں گے، ہمت کریں گے — اور بھی
بہت کچھ کریں گے۔" محمود بولا۔
"ہم نے سوچا تھا — پروفیسر صاحب کی تجربہ گاہ ان
چیونٹیوں کے مقابلے میں ایک مضبوط قلعہ ثابت ہو گی —
لیکن ہمارا یہ خواب بھی پورا نہیں ہوا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
"تو کیا ہوا ابا جان — آپ پروفیسر غوری کو بلا لیں،
اس قسم کے انتظامات تو وہ بھی کر ہی سکیں گے — اور
اب ہم ان کی حفاظت خود کریں گے۔"
"میں انھیں فون ضرور کر دیتا ہوں، لیکن ہم اپنی
تلاش بھی شروع کر رہے ہیں — آخر ہم پروفیسر داؤد تک
پہنچنے کی کوشش کیوں نہ کریں — ابھی ہم نے کمرۂ واردات
کا بغور جائزہ نہیں لیا — جب کہ اس کی اشد ضرورت ہے،

کوئی سراغ ملنا عین ممکن ہے۔"
"اوہ ہاں! یہ ٹھیک ہے۔"
انھوں نے اس کمرے کا بغور جائزہ لیا جس میں پروفیسر داؤد ان چیونٹیوں کا معائنہ کر رہے تھے۔ ایک ایک چیز کا جائزہ لینے اور ان کے ماتحتوں سے معلومات لینے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ کمرے میں باقی تمام چیزیں تو پہلے سے موجود ہیں۔ صرف ایک چیز ایسی ہے۔ جو پہلے موجود نہیں تھی اور نہ پروفیسر صاحب کے پاس کبھی دیکھی گئی۔ اور وہ تھی ایک عجیب قسم کی نلکی نما چیز۔ یہ سیاہ رنگ کی تھی۔ اور ایک نلکی میں دوہرا سوراخ تھا۔ ہاتھ لگائے بغیر وہ اس چیز کو بغور دیکھتے رہے، کیونکہ ابھی انگلیوں کے نشانات نہیں اٹھائے گئے تھے، فنگر پرنٹ کا عملہ ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔
"اس نلکی کے بارے میں کیا خیال ہے؟" انسپکٹر جمشید نے پروفیسر داؤد کے ماتحتوں سے پوچھا۔
"ہم کوئی اندازہ نہیں لگا پائے۔"
"ہوں!" وہ ہنکارہ بھر کر رہ گئے۔
پھر فنگر پرنٹ کا عملہ پہنچ گیا۔ اکرام ان کے ساتھ

آیا تھا۔ ہدایات کے مطابق انھوں نے انگلیوں کے نشانات اٹھائے۔ اس نلکی پر سے بھی اٹھائے گئے۔ جلد ہی نلکی پر پائے جانے والے نشانات ان کے سامنے رکھ دیے گئے۔ اور بھی چند چیزوں سے نشانات مل گئے تھے۔ وہ بھی ان کے ساتھ ہی موجود تھے۔ ان کا جائزہ ریکارڈ کے ذریعے لینے کی ڈیوٹی اکرام کی لگائی گئی۔
شہر بھر میں پولیس پروفیسر داؤد کی تلاش چھاپے مارنے لگی۔ خود وہ بھی تلاش میں نکل گئے۔ اس دوران انھیں چیونٹیوں کی کارروائی کی اطلاع بھی ملتی رہی۔ شہر میں کئی عمارات جل کر راکھ ہو گئیں۔ بے شمار گاڑیاں تباہ ہو گئیں۔ ان واقعات نے انھیں فکر میں مبتلا کر دیا۔ اس طرح تو یہ چیونٹیاں پورے شہر کو تباہ کر سکتی تھیں۔ پورے شہر کی گاڑیوں کو تباہ کر سکتی تھیں۔ پوری فوج کا ستیاناس کر سکتی تھیں۔ گویا چیونٹیوں کا موجد اس وقت شہر میں جو چاہے، تباہی کر سکتا تھا۔ پروفیسر داؤد کے اغوا کے بعد انسپکٹر جمشید نے پہلی بار بہت پریشانی محسوس کی۔ لیکن پھر بھی انھوں نے چہرے سے پریشانی ظاہر نہ ہونے دی۔ ایسے میں اکرام

کا فون ملا۔ وہ کہہ رہا تھا:

"سر! اس نلکی پر پائے جانے والے نشانات اور کمرے میں دوسری چیزوں پر ملنے والے نشانات کا ہمارے پاس کوئی ریکارڈ نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پروفیسر صاحب کو اغوا کرنے والے بالکل نئے آدمی تھے یا کم از کم ہمارے پاس ان کا ریکارڈ موجود نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے اکرام۔ ان کی تلاش میں نکل جاؤ۔ کوئی رپورٹ ملے، کوئی اطلاع یا ان کا کہیں سراغ ملے تو فوراً مجھے فون کر دینا۔ ان کی زندگی سخت خطرے میں ہے اکرام۔ کیونکہ اس وقت پورے شہر میں ان کے راستے کا روڑا صرف اور صرف پروفیسر داؤد ہیں۔ انھوں نے چیونٹیوں کا توڑ دریافت کر لیا تھا۔"

"آپ فکر نہ کریں سر۔ میں سر توڑ کوشش کروں گا۔ اور ان شاء اللہ انھیں ہم ڈھونڈ لیں گے۔"

"ان شاء اللہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

انھوں نے ریسیور رکھ دیا اور تلاش جاری رکھی۔

ایسے میں انھیں ایک اور فون ملا:

"سر۔ مشرقی حصے سے پروفیسر غوری آ گئے ہیں۔ اور

ساری تفصیلات جاننا چاہتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ فون پر ہی ان سے بات کرا دو، ہم اس وقت ان کے پاس نہیں آ سکتے۔ پروفیسر داؤد کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔"

"او کے سر۔ ابھی لیجیے۔"

جلد ہی پروفیسر غوری کی آواز سنائی دی:

"ہاں جمشید۔ کیا معاملات ہیں؟"

"آپ کو یہاں کی خبریں وہاں ملتی ہی رہی ہوں گی۔"

"ہاں! لیکن پروفیسر داؤد کے اغوا کی خبر میں نے یہیں آ کر سنی ہے۔"

"اسی لیے آپ کو بلایا ہے۔ ان چیونٹیوں کا توڑ پروفیسر صاحب نے دریافت کر لیا تھا۔ انھوں نے ایک جامنی رنگ کی روشنی ایجاد کی تھی اور اس کی لہریں اپنی تجربہ گاہ کے گرد پھیلا دی تھیں، جونہی چیونٹیاں اندر داخل ہوئیں، جامنی روشنی کے ایک ہالے نے ان کو گھیر لیا اور وہ بالکل بے بس ہو گئیں، بالکل ساکت۔ ہم نے خود انھیں اس حالت میں دیکھا تھا۔ اس کے بعد ہمیں چکر میں ڈال کر پروفیسر صاحب کو اغوا کر لیا گیا۔"

"میں سمجھ گیا۔ مجھے کیا کرنا ہے۔ کیا کوئی چیونٹی

مجھے مل سکتی ہے؟"

"چیچ — چیونٹی" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! اس طرح میرا کام آسان ہو جائے گا۔"

"پہلی بات تو یہ سن لیں کہ یہ چیونٹیاں دراصل ریموٹ کنٹرول روبوٹ ہیں — ان کے اندر کس قسم کا نظام فٹ کیا گیا ہوگا، اس کی تفصیل پروفیسر صاحب نے کہیں نہ کہیں لکھ کر رکھی ہوگی — آپ اگر وہ تلاش کر لیں تو کیا ہی بات ہے — دوسرے یہ کہ ان کے ہاں جو مہمان آئے تھے — یعنی پروفیسر صاحب کے دوست راج بان..."

"کیا کہا — راج بان" پروفیسر غوری چلا اٹھے۔

"کیوں — کیا بات ہے — کیا آپ بھی انھیں جانتے ہیں؟"

"ہاں! جانتا ہوں — خیر تم کہو — کیا کہہ رہے تھے۔"

"دشمن نے انھیں تجربہ گاہ میں بھیجا تھا — انھوں نے ہمیں انھی کے ذریعے الجھایا تھا اور ہم پروفیسر صاحب کی طرف سے لاپروا ہو گئے تھے — ہوا یہ تھا کہ وہ آتے ہی بے ہوش ہو گئے — انھیں ہوش میں لانے کے چکر میں ہمیں پروفیسر صاحب کو تجربہ گاہ میں چھوڑ کر ہسپتال آنا پڑ گیا — جب ہم واپس آئے تو وہ اغوا ہو چکے تھے۔"

"اور — راج بان؟"

"وہ ہسپتال میں ہی ہیں شاید — ہاں تو میں کہہ رہا تھا جب وہ آئے تھے اور آنے کے بعد بے ہوش ہو گئے تھے تو اس وقت ہم نے ان کے کالر پر ایک عدد چیونٹی دیکھی تھی — اس چیونٹی کو پروفیسر داؤد نے ایک ڈبیا میں محفوظ کر لیا تھا — آپ اس ڈبیا کو تلاش کرنے کی کوشش کریں — شاید وہ مل جائے — لیکن میرے خیال میں یہ بہت مشکل ہے۔"

"کیا مشکل ہے؟" انھوں نے پوچھا۔

"یہ کہ وہ چیونٹی آپ کو مل جائے — اغوا کرنے والے خاص طور پر ان کو بھی وہاں سے نکالنے کے لیے آئے تھے — ان کی تو گیارہ چیونٹیاں وہاں پھنس گئی تھیں۔"

"اچھی بات ہے — میں ابھی اپنا کام شروع کرتا ہوں، لیکن تجربہ گاہ کے گرد فوج کا پہرہ ہونا چاہیے — وہ لوگ مجھے بھی تو اغوا کر سکتے ہیں۔"

"فوج کا پہرہ مقرر کیا جا چکا ہے — آپ فکر نہ کریں۔"

"لیکن میں نے یہاں کسی فوجی کو نہیں دیکھا۔" پروفیسر

غوری نے کہا۔

"آپ کا مطلب ہے — تجربہ گاہ کے باہر اور اندر آپ نے کسی فوجی کو نہیں دیکھا۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! میں یہی کہہ رہا ہوں۔"

"اُف مالک! یہ کیسے ہو سکتا ہے — پروفیسر داؤد کے اغوا کے فوراً بعد تجربہ گاہ کو آٹومیٹک طور پر فوج کی نگرانی میں ہونا چاہیے تھا — آپ ایک منٹ ٹھہریں — میں ابھی آپ کو پھر رنگ کرتا ہوں۔"

یہ کہہ انھوں نے ملٹری ہیڈ کوارٹر کے نمبر ملائے، دوسری طرف سے ایک کرنل نے جواب دیا — اور ان کی بات سن کر اس نے فوراً کہا:

"بالکل! خود میں نے تجربہ گاہ کے لیے ایک دستہ روانہ کیا ہے۔"

"تب پھر — وہ دستہ تجربہ گاہ نہیں پہنچا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"یہ — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" کرنل دھک سے رہ گیا۔

"آپ فوراً دوسرا دستہ دوسرے راستے سے روانہ

کریں — میں خود وہاں پہنچ رہا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے طیش میں آ کر کہا۔

اب ان کے چہرے پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ انھوں نے فوراً تجربہ گاہ کے نمبر ملائے اور پروفیسر غوری کی آواز سن کر بولے:

"پروفیسر صاحب — خطرہ ہے — آپ اپنا بچاؤ فوری طور پر کر لیں — کہیں دشمن آپ کو بھی اغوا نہ کر لے — ہم آ رہے ہیں۔"

"اللہ مالک ہے۔" وہ بولے۔

ریسیور رکھ کر وہ تجربہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے — انسپکٹر جمشید طوفانی انداز میں کار چلا رہے تھے — وہ جلد از جلد تجربہ گاہ پہنچ جانا چاہتے تھے —

"حیرت ہے — فوج کا دستہ کہاں چلا گیا۔" محمود نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"بھئی — پورے ایک دستے کے لیے صرف ایک چیونٹی کافی ہے۔" انھوں نے منہ بنایا۔

"اوہ!" وہ ایک ساتھ بولے۔

"اب تو جمشید! میں بہت گھبراہٹ محسوس کر رہا ہوں۔" خان رحمان بولے۔

"لیکن خان رحمان! گھبراہٹ محسوس کرنے سے کیا ہو گا — اس سے تو کوئی مسئلہ حل نہیں ہو گا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ہوں! تب پھر تم بتاؤ — کیا کرنے سے کچھ ہو گا۔" خان رحمان بولے۔

"ابھی میں کیا کر سکتا ہوں — دُور دُور تک کوئی روشنی کی کرن — روشنی کی کرن — روشنی کی کرن۔" انسپکٹر جمشید اٹکنے لگے۔

"ہائیں ابا جان! یہ عادت تو فرزانہ یا محمود کی ہے۔" فاروق بولا۔

"بلکہ خود تمہاری بھی ہے۔"

"سنو بھئی — ہمیں تجربہ گاہ سے بھی پہلے ہسپتال جانا ہے — راج بان کی حفاظت کی بھی ضرورت ہے — ان کی بے ہوشی کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ اس سلسلے میں کچھ بتا سکتے ہیں۔"

"اوہ! لیکن دوسری طرف پروفیسر غوری خطرے میں ہیں۔" محمود بولا۔

"تب پھر تم لوگ پروفیسر صاحب کی طرف جاؤ — میں ہسپتال جاتا ہوں — خان رحمان تم میرے ساتھ چلو گے۔"

"لیکن کیسے — ہم اس وقت ایک کار میں ہیں۔"

"ابھی کوئی ٹیکسی پکڑ لیتے ہیں۔"

انھوں نے گزرتی ہوئی ایک ٹیکسی روکی اور اس میں ان تینوں کو سوار کر دیا — جونہی تینوں تجربہ گاہ کے سامنے پہنچے — سکتے کے عالم میں رہ گئے —

کمر پیر

انسپکٹر جمشید اور خان رحمان سیدھے ہسپتال پہنچے۔ اور
اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں راج بان کو رکھا
گیا تھا۔ وہ اب ہوش میں تھے۔ انھیں دیکھتے ہی
وہ چونک اُٹھے اور بولے:

"یہ۔ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے جناب۔ مجھے
یہاں کیوں لایا گیا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ میں
پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ کی انتظار گاہ میں پہنچ گیا تھا
اور آپ انھیں بلانے گئے تھے۔ آپ وہی ہیں نا۔"

"ہاں! میں وہی ہوں جناب۔" وہ بولے۔

"تب پھر میں یہاں کیوں ہوں۔ پروفیسر صاحب
کہاں ہیں؟"

"آپ بے ہوش ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو وہیں
بلایا گیا، لیکن آپ کی بے ہوشی ان کی سمجھ میں نہیں آ

کی تھی، لہٰذا آپ کو یہاں لانا پڑا۔"

"اور پروفیسر صاحب؟"

"آپ کو یہ سن کر افسوس ہوگا کہ انھیں اغوا کر لیا
گیا ہے۔"

"کیا کہا۔ اغوا کر لیا گیا ہے۔" وہ چلّائے۔

"جی ہاں! اور یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا۔"

"میری وجہ سے۔ آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں
آ رہیں۔"

"پہلے آپ بتائیں۔ آپ پروفیسر صاحب کی طرف کیوں
آئے تھے؟"

"انھوں نے فون کیا تھا۔ فون کر کے مجھے بلایا تھا۔
کسی سلسلے میں ضروری مشورہ کرنے کے لیے۔ ارے ہاں!
ان چیونٹیوں کے سلسلے میں مشورہ کرنا تھا۔"

"تو آپ کو ان کا فون ملا تھا؟" انھوں نے حیران
ہو کر کہا، کیونکہ پروفیسر صاحب نے انھیں یہ بات
نہیں بتائی تھی۔

"ہاں جناب! فون کیا تھا۔"

"اچھا، جب آپ گھر سے روانہ ہوئے تو کیا اس
وقت آپ کے کالر پر کوئی چیونٹی بھی تھی؟"

"تچ تچ - چیونٹی - نہیں تو - یہ کیا بات ہوئی۔"

"جب آپ بے ہوش تھے - تو ہم نے آپ کے کالر پر ایک عدد بالکل ویسی چیونٹی دیکھی تھی، جس قسم کی چیونٹیاں شہر میں تباہی مچاتی پھر رہی ہیں۔"

"ارے باپ رے - آپ تو میری جان نکالے دے رہے ہیں۔"

"آپ اب ہوش میں آگئے ہیں، لہٰذا ہمارے ساتھ تجربہ گاہ چلیے - اب باقی باتیں وہیں ہوں گی۔"

"چلیے، لیکن اب وہاں کیا مزا آئے گا - پروفیسر صاحب تو وہاں ہیں نہیں۔" وہ بولے۔

"آپ کو ایسے حالات میں مزے کی پڑی ہے۔" انھوں نے بھنا کر کہا۔

"اوہ! سوری۔" انھوں نے فوراً کہا۔

"کیا آپ فون پر پروفیسر داؤد کی آواز کو پہچان لیتے ہیں - میرا مطلب ہے - پہلے بھی وہ آپ کو فون کرتے رہے ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"ہاں! اکثر۔" وہ بولے۔

"تو اس بار جب انھوں نے فون کیا تو آپ نے آواز صاف پہچانی تھی؟"

"نہیں!" وہ بولے۔

"جی کیا فرمایا، نہیں؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں! میں نے یہی کہا ہے کہ نہیں - ان کی آواز قدرے بدلی ہوئی تھی - جب میں نے کہا کہ آپ کی آواز کو کیا ہوا ہے تو انھوں نے بتایا کہ زکام ہو گیا ہے - آواز بالکل بدل گئی ہے۔"

"اوہ! اس کا مطلب ہے - آپ کو فون کسی اور نے کیا تھا - اسی لیے تو پروفیسر صاحب نے فون کرنے کا ذکر مجھ سے نہیں کیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"پتا نہیں، آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"کوئی شخص، بلکہ صاف الفاظ میں چیونٹیوں کا موجد یہ چاہتا تھا کہ آپ کو پروفیسر صاحب کے پاس بھیجا جائے - اس طرح کہ جب آپ تجربہ گاہ میں داخل ہوں تو آپ کے کالر پر ایک چیونٹی بیٹھی ہو اور اندر داخل ہونے کے فوراً بعد آپ بے ہوش ہو جائیں - تاکہ ہم لوگ آپ کے چکر میں پڑ کر پروفیسر صاحب کو بھول جائیں - اور یہی ہوا - ہم آپ کی بے ہوشی کے چکر میں کچھ ایسے الجھے کہ پروفیسر صاحب کا خیال ذہن سے بالکل نکل گیا اور اس طرح وہ دشمن انھیں

اغوا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔"

"لیکن اس میں میرا کیا قصور — میں تو خود اس کے جال میں آ گیا — فون اس کا تھا اور میں یہ سمجھ بیٹھا کہ پروفیسر صاحب کا ہے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے — خیر آپ ان چیونٹوں کے مقابلے میں ہماری کیا مدد کر سکتے ہیں؟"

"مدد — وہ تو میں تجربہ گاہ پہنچ کر ہی بتا سکوں گا۔"

"اور ہم اب تجربہ گاہ ہی چل رہے ہیں — فکر نہ کریں۔" خان رحمان بولے۔

وہ ہسپتال سے نکل کر کار کی طرف بڑھے ہی تھے کہ کسی طرف سے ایک فائر ہوا — اور گولی راج بان کے کان کی لو کو زخمی کرتے ہوتے آگے نکل گئی — راج بان کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی اور وہ نیچے بیٹھتے چلے گئے — انسپکٹر جمشید اس طرف دوڑے — جس طرف سے گولی آئی تھی — سمت کا اندازہ انھوں نے صاف لگا لیا تھا — خان رحمان کو راج بان کی وجہ سے وہیں رکنا پڑا اور پھر ان کے گرد لوگ جمع ہونے لگے — ہسپتال کا عملہ بھی دوڑ کر آیا اور انھیں سٹریچر پر ڈال کر ہسپتال کے اندر لے گیا — خان رحمان ان کے

ساتھ ساتھ چل رہے تھے...

ادھر انسپکٹر جمشید سڑک پار کر کے اس عمارت کی طرف متوجہ ہوئے... جس کی اوپر والی منزل سے گولی چلائی گئی تھی... انھوں نے دیکھا... وہ ایک تین منزلہ مکان تھا... اور اس کے دروازے پر ایک بڑا سا تالا لٹک رہا تھا... دروازے پر ایک چھوٹی سی لوہے کی تختی لگی تھی... اس پر لکھا تھا، 'برائے فروخت'... گویا یہ مکان فروخت ہونے کے لیے تھا، نیچے فون نمبر بھی لکھا تھا... انھوں نے وہ نمبر نوٹ کر لیا اور پھر مکان کا چکر لگایا... پشت کی طرف ایک پائپ اوپر تک جا رہا تھا... انھوں نے گھڑی دیکھی، اتنے کم وقت میں کوئی شخص اس پائپ کے ذریعے فرار نہیں ہو سکتا تھا... اور اس کا مطلب یہ تھا کہ حملہ آور ابھی اندر ہی تھا... اب چونکہ صدر دروازے پر تالا لگا ہوا تھا... اس لیے وہ اس طرف سے تو فرار ہو نہیں سکتا تھا... لہذا اسی طرف سے اسے آنا تھا... وہ کھڑے انتظار کرتے رہے... جب کافی دیر گزر گئی تو انھوں نے پائپ کے ذریعے اوپر جانے کا فیصلہ کیا... جوتے اتار کر کوٹ کی جیبوں میں ٹھونسے اور اوپر چڑھتے چلے گئے... چھت پر پہنچ کر انھوں نے دیکھا، زینے کا دروازہ

کھلا ہوا تھا... منڈیر سے انھوں نے نیچے جھانک کر دیکھا
نیچے کوئی بھی نظر نہ آیا...

آخر وہ نیچے اترے اور تمام عمارت دیکھ ڈالی... لیکن
حملہ آور کہیں بھی نظر نہ آیا... البتہ اس کمرے میں اس
کی کچھ دیر موجودگی ثابت ہو رہی تھی... فائر کرنے کے
لیے اسے ایک سٹول پر کھڑا ہونا پڑا تھا... کمرے میں گرد
کی وجہ سے اس کے قدموں کے نشانات بھی صاف
طور پر موجود تھے... اور ظاہر ہے... انگلیوں کے نشانات
بھی ضرور موجود رہے ہوں گے... ان نشانات کے علاوہ
پورے مکان میں اور کوئی تازہ نشان نہیں تھا...

وہ چھت پر آئے... دائیں بائیں والے مکانوں کی
چھتوں کو دیکھا تو بات سمجھ میں آ گئی... یہ تجارتی عمارتیں
تھیں... ان عمارتوں میں تجارتی دفاتر تھے... لہذا وہ
دائیں طرف والی عمارت کی چھت پر اتر کر اس کے
کھلے زینے کے ذریعے نیچے اتر گیا تھا... اور وہ اس
عمارت کی پشت پر کھڑے رہ گئے تھے... گویا ایک
سراغ ہاتھ لگتے لگتے رہ گیا تھا...

اب انھیں اکرام کو بلانا پڑا... ساتھ میں فنگر پرنٹ
والوں کو بھی...

"بھئی اکرام... اس بار کا مجرم تو ہمیں خوب چکر پر
چکر دے رہا ہے... بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ لوہے کے
چنے چبوا رہا ہے۔"

"کوئی بات نہیں سر... بہت دن ہو گئے تھے لوہے
کے چنے چبائے۔" اکرام مسکرایا۔

"ہائیں ہائیں... کیا تم پر بھی محمود، فاروق اور فرزانہ
کا اثر ہو گیا ہے۔"

"جی... جی ہاں بس... ہو ہی گیا ہے سر۔" وہ پھر
مسکرایا۔

"تب تو تم گئے کام سے۔"

"جی نہیں تو... کیا محمود، فاروق اور فرزانہ کام کے
نہیں ہیں۔"

"ہیں... بالکل ہیں... لیکن باتوں میں وقت بھی بہت
ضائع کرتے ہیں۔"

"لیکن ان کی باتوں سے آپ کو کئی بار سراغ بھی
مل جاتے ہیں۔"

"اب تم بھی ان کی باتیں لے بیٹھے... چلو کام شروع
کراؤ۔" انھوں نے جھلا کر کہا۔

[illegible] نے جلد ہی اپنا کام مکمل

کر لیا... پھر وہ انسپکٹر جمشید کے پاس آئے:
"ان نشانات کو ریکارڈ سے ملا کر میں آپ کو رپورٹ
ارسال کروں یا فون پر بتا دوں؟"
"فون پر بتا دینا... میں پہلے ہسپتال جا رہا ہوں،
پھر تجربہ گاہ جاؤں گا... وہاں پروفیسر غوری سے ملاقات
کروں گا۔"
"او کے سر!"
اکرام تو اپنے ماتحتوں کے ساتھ چلا گیا... وہ ہسپتال
میں پہنچے... راج بان ہوش میں تھے... اور ان کے
چہرے پر ایک اداس سی مسکراہٹ تھی:
"پتا نہیں... یہ لوگ کیا چاہتے ہیں... پہلے مجھے بے ہوش
کیا تھا... اب قاتلانہ حملہ کر ڈالا... جب کہ میں ان
کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"
"لیکن آپ ان کے خلاف ہماری مدد ضرور کر سکتے ہیں۔"
"میں پٹی کرا چکا ہوں... اور آپ کے ساتھ چلنے
کے لیے پوری طرح تیار ہوں۔"
"بہت خوب! میں ابھی پولیس کی گاڑی اور حفاظتی
دستہ منگواتا ہوں... اب ہم یوں نہیں چلیں گے۔" انھوں
نے کہا۔

جلد ہی وہ حفاظتی گاڑی کے ساتھ تجربہ گاہ کی طرف
روانہ ہو گئے... لیکن تجربہ گاہ کے سامنے ایک اور حیرت
ان کی منتظر تھی...
تمام فوجی مردہ پڑے تھے... تجربہ گاہ کے دروازے
کھلے پڑے تھے... اور اندر بھی کوئی نہیں تھا... پروفیسر
غوری کا کوئی پتا نہیں تھا... نہ محمود، فاروق اور
فرزانہ کا...
"اُف مالک... یہ سب کیا ہے۔"
"معلوم ہوتا ہے... چیونٹیوں کا موجد اب ظلم پر
پوری طرح اتر آیا ہے۔" خان رحمان بڑبڑائے۔
"ہم نے اس کی طاقت کا غلط اندازہ لگایا تھا بھئی... ہم
نے آخر یہ کیوں خیال کر لیا کہ فوجی اسے یا چیونٹیوں کو
روک سکیں گے۔"
"لیکن تجربہ گاہ میں تو چیونٹیاں بے بس ہیں۔"
"پروفیسر داؤد کے ہوتے ہوئے... اب صورت حال کیا ہے،
کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"
"ہوں! واقعی۔"
انھوں نے پوری تجربہ گاہ کا جائزہ لیا... محمود، فاروق
اور فرزانہ کی طرف سے بھی انھیں کوئی اشارات وغیرہ

نہیں ملتے نظر آئے... شاید انھیں موقع ہی نہیں ملا تھا

"اب ہم کیا کریں... اب کس کو بلائیں؟"

"پروفیسر لقمان کو۔"

"میں انھیں فون کرتا ہوں... لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ بھی ہمارے لیے کچھ کر سکیں گے۔"

"بلانا تو پڑے گا۔" خان رحمان نے کہا۔

انسپکٹر جمشید نے پروفیسر لقمان سے ساری بات کی، اور ریسیور رکھ کر راج بان کی طرف مڑے:

"آپ اس سلسلے میں ہمارے لیے کیا کر سکیں گے؟"

"مم... میں... یعنی کہ میں..."

"دشمن نے آپ کو ہلاک کرنے کی کوشش کی ہے... اس کا مطلب ہے... آپ ہمارے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کر سکتے ہیں... ورنہ وہ کیوں آپ کو ختم کرنے کی کوشش کرتا"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے... کہ اس نے فائر کسی اور پر کیا ہو اور لگ گیا ہو مجھے۔"

"میں نے اس وقت کی پوزیشن کو نظر میں رکھا ہے... نشانہ صرف اور صرف آپ کا لیا گیا تھا... باقی لوگ آپ سے کافی فاصلے پر تھے... اور نشانہ لینے والا کوئی کم ماہر نہیں تھا۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟"

"وہ عمارت کافی فاصلے پر تھی... اس قدر فاصلے سے کوئی اناڑی نشانہ لینے کی جرات ہی نہیں کر سکتا۔"

"ہو سکتا ہے... آپ کی بات درست ہو..." راج بان نے کہا۔

اچانک انسپکٹر جمشید زور سے اچھلے... انھیں اپنی کمر پر کوئی چیز رینگتی محسوس ہوئی تھی...

مصیبت میں مصیبت

محمود، فاروق اور فرزانہ نے تجربہ گاہ کے سامنے فوجیوں کی لاشوں کو دیکھا... تو سکتے میں آ گئے... دوڑ کر اندر پہنچے... اندر پروفیسر غوری بے ہوش پڑے تھے... ان کے جسم پر کسی زخم کا نشان نہیں تھا... بلکہ بے ترتیبی کے آثار نہیں تھے... اور تجربہ گاہ میں کوئی تھا بھی نہیں۔

"حیرت ہے... کوئی موجود بھی نہیں ہے... اور اس قدر بڑی گڑبڑ بھی موجود ہے..." فاروق نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"کہیں... کہیں یہ کام چیونٹیوں سے تو نہیں لیا گیا" فرزانہ بڑبڑائی۔

"تب پھر پروفیسر صاحب صرف بے ہوش کیوں ہیں... باقی فوجیوں کی طرح جان سے ہاتھ کیوں نہیں دھو بیٹھے"

"شاید دشمن انھیں اپنے لیے کار آمد خیال کرتا ہے"

فاروق نے کہا۔

"تب پھر یہاں کیوں چھوڑ گیا۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں! یہ بات عجیب ہے... ویسے تو اس کیس میں ہر بات ہی عجیب ہے... ہم کس کس بات کو روئیں۔" محمود نے کہا۔

"خیر... ان باتوں کو رونے کی تو یوں بھی ضرورت نہیں ہوتی۔" فاروق مسکرایا۔

"اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کی بجائے ہمیں پہلے پروفیسر صاحب کو ہوش میں لانا چاہیے تھا۔" محمود نے جھلا کر کہا۔ اور انھیں ہلانے جلانے لگا... پھر پانی کے چھینٹے مارے گئے... لیکن پروفیسر غوری صاحب نے آنکھ نہ کھولی... عین اس وقت ایمبولینس کی آواز سنائی دی... وہ جلدی سے باہر نکلے... باہر دو تین گاڑیاں موجود تھیں... لیکن اتنے فوجیوں کے لیے یہ گاڑیاں بہت کم تھیں... ایک گاڑی سے ایک صاحب اتر کر ان کی طرف آنے لگے...

"آپ نے فون کیا تھا۔" اس نے پوچھا۔

"جی نہیں تو... کیا آپ کو کسی نے فون کیا تھا؟"

"ہاں! کسی نے کہا تھا کہ پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ کے باہر بہت سے لوگ مردہ پڑے ہیں۔"

"پھر... آپ نے پولیس کو فون کیا۔" محمود بولا۔

"جی نہیں... ہم نے خیال کیا... یہ فون آیا ہی حکام کی طرف سے ہے۔"

"آپ کو پوچھنا تو چاہیے تھا۔"

"گھبراہٹ کے عالم میں پوچھنے کا خیال نہیں رہا۔"

"خیر... پہلے اندر سے پروفیسر غوری صاحب کو اٹھا کر ہسپتال پہنچائیں... وہ ابھی اندر ہیں... یہ بے چارے تو دوسری دنیا جا چکے ہیں... انھیں تو بعد میں بھی پہنچایا جا سکتا ہے۔"

"ایک گاڑی میں پروفیسر صاحب کو لے چلتے ہیں... باقی گاڑیاں فوجیوں کو لے جاتی رہیں گی۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

انھوں نے پروفیسر غوری کو گاڑی میں لادا... اور چلنے لگے:

"نہیں بھئی... ہم ساتھ جائیں گے۔"

"چلیے پھر۔" اس نے کہا۔

انھیں بھی گاڑی میں سوار کر لیا گیا... کچھ دیر تک سفر جاری رہا... پھر محمود نے چونک کر پوچھا:

"یہ... آپ کس طرف جا رہے ہیں؟"

"وہ سڑک مرمت ہو رہی ہے... اس طرف سے گئے تو بہت دیر ہو جائے گی۔" اس نے کہا۔

"اوہ اچھا۔" محمود بولا۔

تھوڑی دیر اور گزر گئی... پھر فرزانہ بولی:

"ابھی تک دوسری گاڑیاں نظر نہیں آئیں۔"

"انھوں نے فوجیوں کو لادنے کا کام بعد میں شروع کیا تھا۔" اس نے کہا۔

"اب تک ہمیں اس سڑک کا موڑ بھی مڑ جانا چاہیے تھا۔" فاروق بولا۔

"آپ لوگ خاموش نہیں بیٹھ سکتے...؟" اس نے جل کر کہا۔

"نہیں... گاڑی روک دیں۔"

"گاڑی روک دیں... لیکن کیوں؟"

"اس لیے کہ ہمیں آپ پر شک ہو چلا ہے... آپ کا ہسپتال سے کوئی تعلق نہیں نظر آتا۔"

"بہت جلدی خیال آ گیا اس بات کا۔"

"شک تو پہلے ہی ہو گیا تھا... اب یقین ہو گیا..." فرزانہ نے کہا۔

"اچھی بات ہے... کر لو اس بات پر یقین۔" اس نے

جھلا کر کہا۔

محمود نے یک دم چاقو نکال لیا... اور سرد آواز میں بولا۔

"مسٹر... ڈرائیور سے کہو... گاڑی روک دے... ورنہ تمھاری گردن اس چاقو سے کاٹ دی جائے گی۔"

"یہ چاقو گردن کاٹے گا؟"

"ہاں بالکل۔" محمود بولا۔

"تو پھر کاٹ دو... گردن میری۔" اس نے چلا کر کہا۔

محمود پہلے ہی چکرایا ہوا تھا... اب اسے غصّہ بھی آ گیا... اس نے چاقو کا وار اس کی گردن پر کیا... اسے یوں لگا... جیسے فولاد پر چاقو چلایا گیا ہو... لیکن اس کا یہ احساس غلط تھا... اگر چاقو فولاد پر چلا ہوتا، تو وہ تو کٹ چکا ہوتا... یہ تو کوئی فولاد سے بھی بڑھ کر چیز تھی...

"بہت خوب... یہ گردن کتنے میں بنوائی۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"اُلّو کے پٹھو... تمھیں دن میں تارے نظر آ جائیں گے۔"

"ہائیں... گالی... تم نے ہمارے والد کو اُلّو کہا..." فاروق چلّا اٹھا۔

"ہائیں تو پھر... تم کیا کر لو گے... گردن تو کاٹ نہیں سکے... اپنے چاقو سے۔" اس نے ہنس کر کہا۔

محمود نے پریشان ہو کر چاقو کو دیکھا... پھر اس کی گردن کی طرف دیکھا... ظاہر ہے... اس نے گردن پر کوئی چیز منڈھ رکھی تھی... یا پھر پورے جسم پر اس قسم کا کوئی لباس پہن رکھا تھا... جس پر گولی یا چاقو اثر نہ کر سکے... یہاں تک کہ محمود کا خاص چاقو بھی اثر نہ کر سکے...

"ہم تمھاری چٹنی بنا دیں گے۔"

"اچھا تو بناؤ چٹنی۔" اس نے ہنس کر کہا۔

تینوں اس پر ٹوٹ پڑے... اور وہ تابڑ توڑ وار اس پر کیے کہ درمیان میں سانس تک لینے کے لیے نہیں رکے... دوسری طرف وہ بڑے اطمینان سے مار کھاتا رہا، مسکراتا رہا... اور گنگناتا رہا... انھیں غصہ دلاتا رہا... یہاں تک کہ وہ بے دم ہو کر بیٹھ گئے اور ہانپنے لگے۔

چند منٹ تک ہانپنے کے بعد محمود نے کہا:

"[illegible] کس چیز کے بنے ہوئے ہو بھائی..."

"بس یہ نہ پوچھو... اس جسم پر میرے باس نے پتا نہیں کیا کچھ استعمال کیا ہے... تب کہیں جا کر یہ جسم ایسا بنا ہے... اب پستول یا رائفل کی گولی تو کیا... توپ کا گولا بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا... بم بھی مجھ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

"اوہو اچھا... تب ہی میرا چاقو کام نہیں کر سکا۔"

"شکر کرو... چاقو ٹوٹا نہیں... ویسے مجھے بہت حیرت ہے۔" اس نے کہا۔

"کک... کس بات پر؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"اس بات پر کہ چاقو کیوں نہیں ٹوٹا۔"

"اور ہمیں حیرت اس پر ہے کہ چاقو نے گردن کیوں نہ کاٹی... لیکن ہم صرف حیران ہونے کے لیے پیدا نہیں ہوئے، ہمیں کچھ کام بھی کرنا چاہیے... لہٰذا تم بتاؤ... تمھارا نام کیا ہے؟"

"ہاں! اب کی ہے تم نے کام کی بات... مجھے بلاٹا کہتا ہے میرا باس۔"

"اس کا مطلب ہے... اور لوگ بلاٹا نہیں کہتے؟"

"سب بلاٹا ہی کہتے ہیں... میرا مطلب ہے... میرا یہ نام میرے باس نے رکھا تھا۔"

"کیا تم اپنے باس کے پاس لے کر جا رہے ہو؟"

"نہیں! اس کو لے جا رہا ہوں... جہاں لے جانے کا حکم باس نے دیا تھا... یہ ضروری نہیں کہ وہ وہاں ہو بھی۔"

"ہوں! ٹھیک ہے... تمھارا باس کرتا کیا ہے؟"

"اب بھی اس سوال کی ضرورت ہے... بس یہی کچھ کرتا ہے... جو اس شہر میں ہو رہا ہے۔"

"تو کیا اس نے کچھ اور ملکوں کے کچھ اور شہروں میں بھی یہ کام کیا ہے؟"

"بالکل نہیں... وہ اسی ملک کا رہنے والا ہے... یہیں رہتا ہے... اور کہیں جائے گا بھی نہیں۔"

"تب پھر... وہ اس ملک کو توڑ پھوڑ کیوں رہا ہے؟"

"اس کا کہنا ہے... اس ملک پر حکومت اس کی ہونی چاہیے... کیوں کہ حکومت ہمیشہ وہ کرتا ہے... جو سب سے زیادہ طاقت ور ہو... اور وہ موجودہ دور میں سب سے زیادہ طاقت ور ہے... تم لوگوں نے دیکھا نہیں... ایک ننھی سی چیونٹی سے اس نے کتنے بڑے بڑے کام لے ڈالے ہیں... اب ذرا غور کرو... جب چیونٹیوں کا پورا لشکر شہر پر حملہ کرے گا... تو کیا ہو گا؟"

"ارے باپ رے... تو کیا چیونٹیوں کا پورا لشکر ہے

اس کے پاس۔"

"زیادہ بڑے لشکر کی ضرورت نہیں... سو چیونٹیاں پورے شہر کو تباہ کرنے کے لیے کافی ہیں..."

"ارے باپ رے..." محمود نے گھبرا کر کہا۔

"لیکن تباہ کر کے اس کو کیا مل جائے گا۔"

"اگر حکمرانوں نے اس کی بات نہ مانی... تو پھر وہ ایسا بھی کرے گا۔"

"اس کا مطلب ہے... ابھی اور تباہی آئے گی۔"

"ہاں! جب تک حکمران ہار نہیں مان لیتے... وہ تباہی مچاتا رہے گا... یہاں تک کہ عوام بھی حکمرانوں کے خلاف ہو جائیں گے اور باس کا مطالبہ ماننے پر انھیں مجبور کر دیں گے۔"

"ہوں! لیکن ابھی تک تو باس نے ایسا کوئی مطالبہ نہیں رکھا۔"

"چیونٹیوں کی کارروائی جب تک بچے بچے کو معلوم نہیں ہو جاتی... اس وقت تک وہ ایسا نہیں کرے گا... لیکن اب شاید ایک آدھ دن کی بات ہے۔"

"ہم تم سے کھلے میدان میں مقابلہ کرنے کے خواہش مند ہیں۔"

"ٹھیک ہے... تمھاری یہ خواہش بھی پوری کی جائے گی، لیکن ہیڈ کوارٹر پہنچنے کے بعد۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

بند گاڑی میں وہ اس کے خلاف کچھ کرنے کے قابل نہیں تھے... جس کی گردن پر محمود کے چاقو نے کوئی کام نہیں کیا تھا... اس کے جسم پر ان کے مکے اور لاتیں بھلا کیا کام دکھاتے... لہٰذا وہ صبر کا گھونٹ بھرنے کے سوا کیا کر سکتے تھے... جلد ہی گاڑی شہری حدود سے باہر نکل آئی اور پھر جنگل میں ایک پگ ڈنڈی پر مڑ گئی... اس طرف بھی انھیں بہت لمبا سفر کرنا پڑا...

"جب باس کو یہاں سے شہر آنا جانا پڑتا ہے... تو کیا وہ بھی کار وغیرہ میں سفر کرتا ہے... میرا مطلب ہے... اس طرح تو بہت وقت ضائع ہوتا ہو گا۔"

"باس کو عام طور پر ہیڈ کوارٹر آنے کی ضرورت پیش نہیں آتی... آ بھی جائے تو اس کے پاس بہت تیز رفتار گاڑی ہے... اس کے الٹ جانے کا خطرہ بھی نہیں ہے، اس میں اس نے کچھ تبدیلیاں کر رکھی ہیں۔"

"گویا وہ مکینک بھی ہے۔"

"مکینک ہی نہیں... سائنس دان ہی نہیں... انجینئر ہی نہیں... وہ تو نہ جانے کیا کچھ ہے... اس جتنا پڑھا لکھا

اور ماہر انسان پورے اس ملک میں کوئی نہیں ہو گا۔"

"کاش! اس نے اپنی صلاحیتیں نیک کاموں پر صرف کی ہوتیں۔" محمود نے سرد آہ بھری۔

ان کا سفر ایک گھنٹے تک جاری رہا... وہ گھنے درختوں کے درمیان سے گزرتے رہے... اس قدیم پگ ڈنڈی کو دیکھ کر انھیں بہت حیرت ہوئی تھی... اور پھر گاڑی رک گئی۔ انھوں نے دیکھا... وہ ایک بہت پرانے قلعے کے سامنے رُکے تھے... قلعہ اگرچہ حد درجے پرانا تھا... لیکن اس کی عمارت اب تک شان دار تھی... دروازے پر دس کے قریب مسلح آدمی موجود تھے... ان کے کالروں پر ایک ایک چیونٹی بیٹھی تھی... ان چیونٹیوں کو دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئے... گویا وہ چیونٹیوں کے ہیڈ کوارٹر تک پہنچ گئے تھے... اور یہ ان کی کوشش سے نہیں ہوا تھا... مجرم خود انھیں لے کر یہاں تک آئے تھے...

"کیا تم سمجھتے ہو... ہمارے والد یہاں نہیں پہنچ سکتے" فرزانہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

"اوّل تو نہیں پہنچ سکتے... اگر پہنچ بھی جائیں تو یہاں ان کی کیا دال گلے گی... بھئی ان کے لیے تو ایک چیونٹی کافی ہے۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"تو کیا یہاں بھی چیونٹیوں سے کام لیا جاتا ہے۔"

"بالکل۔" وہ بولا۔

"تب پھر ان پہرے داروں کی کیا ضرورت ہے۔"

"ضروری خدمات تو یہی انجام دیں گے... اب کھانا پکانا ہو تو یہ چیونٹیاں تو نہیں پکائیں گی... عام روبوٹ جتنی ہوتیں تو پکا سکتی تھیں۔"

"ہوں! ٹھیک ہے... وہ کھلے میدان میں مقابلے کے لیے تیار ہیں۔"

"وہ بھی ہو گا... پہلے اندر چل کر یہ تو دیکھ لوں کہ باس کا کوئی اور حکم تو نہیں آیا پڑا۔"

"تو کیا احکامات صرف یہیں آتے ہیں۔"

"ایسی بات نہیں۔"

انھیں گاڑی سے اتارا گیا... پہرے داروں نے دروازہ کھول دیا تھا... وہ بلاٹا کے ساتھ اندر کی طرف بڑھے... دروازے کے آگے ایک پختہ سڑک تھی... اس کے دونوں طرف پہرے دار جدید رائفلیں لیے کھڑے تھے... ان میں سے ہر ایک کے کالر پر ایک ایک چیونٹی تھی... یہ دیکھ کر وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

"آخر ہر ایک کالر پر چیونٹی کی کیا ضرورت۔"

"یہ ہمارا قومی نشان کہہ لو... جب ہماری حکومت ہو گی ہر حکمران کے کالر پر ایک چیونٹی ضرور ہو گی۔"

"گویا یہ خالی چیونٹیاں ہیں... کچھ کرنے کے قابل نہیں ہیں۔"

"ہاں! یہی سمجھ لو۔" بلاٹا نے مسکرا کر کہا۔

"آپ ہم سے کچھ چھپا رہے ہیں۔"

"نہیں... کچھ چھپانے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں۔"

سڑک پر انھیں پانچ منٹ تک چلنا پڑا... پھر دائیں بائیں اونچی عمارتیں نظر آئیں... دائیں والی عمارت کے ایک کمرے میں انھیں لایا گیا... یہاں شاندار فرنیچر موجود تھا... انھیں صوفے پر بٹھایا گیا...

"میں ذرا باس کے نئے احکامات معلوم کر آؤں۔"

"ٹھیک ہے۔"

بلاٹا کمرے سے نکل گیا... دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔

"کیا خیال ہے... کیا ہم کچھ کام شروع کریں۔" فرزانہ نے ان کی طرف دیکھا۔

"ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کا تو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔" محمود بولا۔

"پہلے صرف جائزہ لینا چاہیے... کہیں کوئی نئی مصیبت

مول لے لیں۔" فاروق بولا۔

"مصیبت مول لیے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہو گا۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"اس مصیبت میں بس یہی مصیبت ہے... کہ اسے مول ہی لینا پڑتا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"وقت تیرے کی... ان حالات میں بھی شروع ہو گئے۔"

"اب شروع ہونے کے لیے حالات کا انتظار کون کرے۔" فاروق مسکرایا۔

"نہ جانے یہ حضرت کب آئیں گے... اور کب ہماری دال گلے گی۔"

"کم از کم یہاں دال گلنے کا انتظار نہیں کیا جا سکتا۔"

"تو کیا گوشت گلنے... گلنے... گلنے..."

فاروق کے الفاظ اٹکنے لگے... اسے یوں لگا جیسے وہ بے ہوش ہوتا چلا جا رہا ہو... پھر وہ تڑ سے گرا...

چیخ

"ارے! یہ میری کمر پہ کیا رینگ رہا ہے۔" انھوں نے چلاّ کر کہا... پھر اچھل کر کھڑے ہو گئے... اور لباس آناً فاناً الٹ دیا...

"اوہو! آپ کی کمر پر چیونٹی۔" راج بان چلاّیا۔

"اس کو پکڑ کر نیچے پھینک دیجیے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"مم... میں... میں..." راج بان ہکلائے۔

اتنے میں خان رحمان نے چیونٹی کو پکڑ کر نیچے پھینک دیا... وہ فرش پر رینگنے لگی...

"ارے! یہ تو اصل چیونٹی ہے..." انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"حیرت ہے... اصل چیونٹی تجربہ گاہ میں کہاں سے آ گئی، وہ بھی میری کمر پر۔"

"یہ تجربہ گاہ سے باہر کہیں تمھاری کمر پر چڑھ گئی ہو

گی جمشید... اس میں عجیب بات کیا ہے۔"

"نہیں... یہ نہیں ہو سکتا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا نہیں ہو سکتا..." خان رحمان کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"یہ چیونٹی باہر کہیں میرے جسم پر نہیں چڑھی... یہیں چڑھی ہے... عجیب بات اس میں یہ بھی ہے کہ یہ کمر پر کس طرح پہنچ گئی... وہ بھی کپڑوں کے نیچے۔"

"لیکن جناب! آخر اس میں عجیب بات کیا ہے۔" راج بان حد درجے حیران نظر آ رہے تھے...

"آپ نہیں جانتے... میرے جسم پہ کوئی بال بھی اگر آ گرے تو میں بے چین ہو جاتا ہوں... یہ تو چیونٹی تھی... صاف ظاہر ہے... یہ پہلے ہاتھ یا پیر پر چڑھی ہو گی... وہاں سے یہ کمر کی طرف گئی ہو گی... آخر مجھے کیوں پتا نہ چلا... نہیں بھئی... یہ چیونٹی اچانک میری کمر پہ چھوڑی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ یہ میرے کالر کے نیچے چھوڑی گئی... اسی وقت مجھے اس کی موجودگی کا احساس ہو گیا... اور یہاں ہم تین کے علاوہ کوئی اور ہے نہیں... خان رحمان کو ایسا کرنے کی ضرورت نہیں تھی... مسٹر راج بان یہ حرکت آپ کی ہے۔" انھوں نے کہا اور انھیں بری طرح گھورنے لگے۔

راج بان کے چہرے پر ذرا بھی گھبراہٹ اور پریشانی کے آثار ظاہر نہ ہوئے... انھوں نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور بولے:

"لیکن مجھے ایسا کرنے کی بھلا کیا ضرورت تھی... ویسے کیا یہ نہیں ہو سکتا... کہ چھت سے کوئی چیونٹی آپ کے کالر کے پاس گرے اور گرتے ہی نیچے کی طرف لڑھک جائے اور پھر کپڑوں کی وجہ سے اٹک جائے..."

وہ سوچ میں پڑ گئے... چھت پر دیکھا... وہاں کوئی چیونٹی نہیں تھی... یوں بھی تجربہ گاہ میں کوئی مکھی، مچھر، چیونٹی یا اس قسم کی کوئی اور چیز داخل ہو ہی نہیں سکتی تھی اور اگر ہو جائے تو زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکتی تھی... دوسری طرف راج بان کو ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نظر نہیں آ رہی تھی... لہذا وہ بولے:

"خیر چھوڑیے... آ گئی ہو گی... کہیں سے کسی طرح... ہم کیوں اس کے پیچھے اپنا وقت ضائع کریں... بات قدرے عجیب محسوس ہوئی تھی... اس لیے اتنی بات بھی کر لی گئی، پروفیسر لقمان کے آنے سے پہلے پہلے ہمیں یہ سوچنا ہے کہ اب ہم کیا کریں... ہم کیا کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید جلدی جلدی کہتے چلے گئے...

"اصل کام ہے... ان چیونٹیوں کو بے کار کرنے کا... کم از کم ایک چیونٹی ہمارے ہاتھ لگ جائے تو ہم اسے کسی ذریعے سے ختم کرنے کی کوشش کر کے دیکھ لیتے... یا اس پر تجربات کر لیتے... لیکن مشکل یہ ہے کہ ابھی تک تو ہمارے ہاتھ کوئی چیونٹی تک نہیں لگ سکی۔"

"تو پھر جمشید... اس اصل چیونٹی سے کام چلا لو۔" خان رحمان مسکرائے۔

انسپکٹر جمشید بھی مسکرا دیے اور بولے:

"جب محمود، فاروق اور فرزانہ نہیں ہوتے تو تم ان کی کمی پوری کرنے لگتے ہو۔"

"اگر یہ تمھیں اچھا نہیں لگتا... تو میں اپنے الفاظ واپس لے لیتا ہوں۔" خان رحمان بولے۔

"نہیں خیر... میں تمھیں تمھارے الفاظ تو واپس نہیں کروں گا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"یہ آپ دونوں نے کس قسم کی باتیں شروع کر دیں۔"

"جب تک پروفیسر لقمان نہیں آ جاتے... ہمیں کچھ تو کرنا ہو گا جناب۔" خان رحمان بولے۔

"تو پھر کچھ کام کر لیتے ہیں۔"

"[illegible]" [illegible] ایک ساتھ بولے۔

"مثلاً یہ کہ ..."

ان کی آواز دب گئی ... اسی وقت ایک بہت گرج دار آواز سنائی دی تھی ... یوں لگا تھا ... جیسے بادل گرج رہے ہوں ... اور پھر بادلوں میں سے ایک آواز سنائی دی ..

"تمام لوگ اپنے اپنے ٹی وی آن کر لیں ... ایک ضروری اعلان نشر کیا جانے والا ہے۔"

آواز میں بادلوں جیسی گھن گرج تھی ... گویا یہ اعلان پورے شہر میں سنا گیا تھا ... شہر والوں کی جو حالت ہوئی ہو گی ... وہ اندازے لگا ہی سکتے تھے ... انھوں نے بھی فوراً ٹی وی آن کر لیا ... پہلے تو ٹی وی پر شوں شوں ہوتی رہی ... پھر ایک سیاہ لبادہ اوڑھے ایک انسان کا ہیولا سا نظر آنے لگا ... پھر اچانک وہ بولنے لگا ...

"شہر کی جو حالت ہے ... آپ لوگ دیکھ ہی رہے ہیں ... اس حالت سے نجات کا بس ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ سب لوگ صرف اور صرف میرا حکم مانیں ... میرے احکامات صبح شام ٹی وی پر سنیں اور ان پر عمل کریں ... آج سے اس شہر پر میری حکومت ہے ... جس کسی نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی ... اس کے گھر کے لیے صرف ایک

چیونٹی کافی ہو گی ... گھر راکھ بن جائے گا ... اور اس قسم کے نمونے آپ دیکھ ہی چکے ہیں ... آپ لوگ اب تک چند چیونٹیاں دیکھتے رہے ہیں، لیکن اب یہ چیونٹیاں شہر میں ہزاروں کی تعداد میں نظر آئیں گی ... اور کسی بھی گھر تک آن کی آن میں پہنچ سکیں گی ... حکمرانوں کو بھی میرا یہی مشورہ ہے کہ وہ میری مرضی کے مطابق کام کریں ... اگر انھوں نے مرکزی حکومت کے احکامات کو مانا، اور نافذ کرنے کی کوشش کی ... تو پھر چیونٹیاں ان کے دفاتر کو بھی آگ لگا دیں گی ... ان کی طاقت کا اندازہ تو لگایا ہی جا چکا ہے ... اعلان ختم ہوا ... دوسرا اعلان شام ٹھیک چھ بجے کیا جائے گا۔"

ٹی وی بند کر کے وہ ان کی طرف مڑے :

"تو اس نے آخر اپنا کام شروع کر دیا۔" خان رحمان نے سرد آہ بھری۔

"ہاں! اور میرا خیال ہے ... شہر کے حالات دیکھ کر کوئی بھی خلاف ورزی کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔"

"اور ہم کیا کریں۔" خان رحمان نے کہا۔

"[illegible] نقصان بس پہنچنے ہی والے ہوں گے ..."

ہم تو ان کے آنے کے بعد ہی کچھ کر سکیں گے... اب تو محمود، فاروق، فرزانہ اور پروفیسر صاحبان کو تلاش کرنے کی بھی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی... جو پارٹی تلاش میں نکلے گی... وہی پھنس جائے گی۔"

"ہاں! بات ٹھیک ہے۔"

وہ انتظار کرنے لگے... ابھی تک انھیں شہر کا ردعمل معلوم نہیں ہوا تھا... پتا نہیں... انتظامیہ کیا سوچ رہی تھی، یا کیا کرنے کا ارادہ رکھتی تھی... اور پھر دوپہر کے بعد کہیں جا کر پروفیسر لقمان وہاں پہنچ گئے... حالات وہ سُن ہی چکے تھے... لہذا آتے ہی بولے:

"سب سے پہلے تو ہمیں اس جامنی روشنی کا انتظام کرنا ہو گا... اگر ہم پورے شہر پر جامنی روشنی کا جال پھیلا دیں تو تمام چیونٹیاں بے کار ہو جائیں گی۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"اور اسی لیے پروفیسر داؤد اور پروفیسر غوری کو اغوا کیا گیا ہے... کہ وہ اسی روشنی کے ذریعے اس کے منصوبے کو فیل نہ کر سکیں۔"

"ہوں!" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں ابھی تجربات شروع کر [illegible]

موجود ہی ہیں... ہم روشنی ان پر آزما سکیں گے۔"

"جی... کیا فرمایا... باہر چیونٹیاں موجود ہیں۔"

"ہاں بالکل... وہ تو باقاعدہ پہرے داروں کی طرح کھڑی ہیں۔"

"اوہو اچھا..." ان کے منہ سے نکلا... پھر وہ باہر کی طرف دوڑے... تجربہ گاہ کے باہر واقعی بیس کے قریب چیونٹیاں موجود تھیں... نصف ایک طرف اور نصف دوسری طرف... انھیں دیکھ کر بھی چیونٹیوں نے کوئی حرکت نہ کی... وہ ان کے آس پاس سے ہو کر گزرنے لگے... وہ جوں کی توں کھڑی رہیں...

"یہ اسی وقت حرکت میں آئیں گی... جب ان کو حکم دیا جائے گا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"شہر کی ہم نے اب تک کوئی خیر خبر نہیں لی۔" خان رحمان بولا۔

"ابھی آئی جی صاحب کو فون کر لیتے ہیں۔"

انسپکٹر جمشید نے آئی جی صاحب کو فون کیا... دوسری طرف سے فوراً ہی ان کی آواز سنائی دی:

"جمشید! تم کہاں ہو... یہ سب کیا ہو رہا ہے۔"

"یہی جاننے کے لیے فون کیا ہے سر... شہر کے حالات

کیا ہیں۔"

"ہم نے ہنگامی اجلاس بلایا تھا... اس میں یہ طے پایا کہ اس کا حکم مان لیا جائے... اور اس تک پہنچنے کی کوشش جاری رکھی جائے..."

"ٹھیک کیا ہے سر... تباہی سے تو بچ جائیں گے... وہ اس خیال میں ہے کہ کوئی اس تک نہیں پہنچ سکے گا... اس کا سراغ نہیں لگایا جا سکے گا... میں چاہتا ہوں، وہ اسی گھمنڈ میں رہے اور میں اس کی شہ رگ تک پہنچ جاؤں۔"

"جلدی کرو جمشید... پورا ملک پریشان ہے... اگرچہ بات ابھی صرف ہمارے شہر کی ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں سر... اور اپنی پوری کوشش کر رہا ہوں... ادھر اب تک پروفیسر داؤد، پروفیسر غوری اور محمود، فاروق، فرزانہ کو اغوا کیا جا چکا ہے... صرف میں اور خان رحمان ایسے ہیں... اکرام اور اس کے ماتحت ان لوگوں کی تلاش میں شہر کی خاک چھان رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ہوں... کوشش جاری رکھو جمشید... حالات حد درجے سنگین ہیں... اچھا اللہ حافظ... شاید صدر صاحب کوئی

بات کرنا چاہتے ہیں..." انھوں نے کہا۔

"جی بہتر! آپ دعا کریں..." یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی... انھوں نے فوراً ریسیور اٹھایا... دوسری طرف سے اکرام کہہ رہا تھا:

"سر... ایک سراغ ملا ہے... فوراً آئیے۔"

"بہت خوب... اکرام... میں کہاں آؤں۔"

"شمالی سڑک کے نویں کلومیٹر پر..."

"وہیں ٹھہرنا... میں آ رہا ہوں..." یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا... اور پھر خان رحمان سے بولے:

"اکرام کو کوئی سراغ ملا ہے... تم ساتھ چلنا پسند کرو گے یا یہاں ٹھہرنا۔"

"میرا خیال ہے... ساتھ چلتا ہوں... یہاں تو میرے لیے کوئی کام بھی نہیں ہے۔"

"ہاں! ٹھیک ہے۔"

"آپ دونوں اپنی پوری کوشش کریں... آپ دونوں ہمارے ملک کے بہترین دماغ ہیں... ملک پر اس وقت بڑا وقت آ پڑا ہے... امید ہے... آپ بہت جلد کچھ نہ کچھ کر دکھائیں گے۔"

"تم فکر نہ کرو، جمشید۔" پروفیسر لقمان بولے۔

اور پھر وہ دونوں شمالی سڑک کی طرف روانہ ہو گئے۔ بیس منٹ بعد وہ نویں کلومیٹر پر پہنچ گئے... لیکن یہاں دور دور تک اکرام یا اس کے کسی ماتحت کا نشان تک نہیں تھا...

"اس کا مطلب ہے... انھیں خبر لگ گئی... کہ ہمیں کوئی سراغ مل گیا ہے... لہذا وہ فوراً یہاں پہنچے، اور انھیں بھی لے گئے..." انسپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔

"یا اللہ رحم... ایسا معلوم ہوتا ہے... جیسے پورے شہر کو وہ ضرور سکرین پر دیکھ رہا ہے... اور جہاں بھی اسے اپنے خلاف کوئی بات نظر آتی ہے... وہ فوراً وہاں اپنے آدمی بھیج دیتا ہے۔"

"ہوں! اب تو جمشید... میرا بے تحاشا جی چاہ رہا ہے کہ ہم بھی پھنس جائیں... وہ ہمیں بھی اپنے ہیڈ کوارٹر لے جائے... تاکہ ہم سب ایک جگہ جمع تو ہو جائیں۔"

اچانک جنگل کی طرف سے ایک چیخ سنائی دی...

وہ بے تحاشہ اس طرف دوڑ پڑے... گاڑی بھی وہیں اسی حالت میں چھوڑ دی...

پانچ منٹ تک دوڑتے رہنے کے بعد آخر رُک گئے اور

چاروں طرف دیکھا... پھر کوئی آواز سنائی نہیں دی تھی۔

"کک... کہیں وہ چیخ دھوکا تو نہیں تھی؟" خان رحمان۔

"اب تو یہی کہا جا سکتا ہے۔"

"آؤ سڑک کی طرف... شاید اب وہاں ہماری گاڑی نہیں ہو گی۔" وہ بڑبڑائے۔

دونوں نے قدم اٹھائے ہی تھے... کہ چیخ پھر سنائی دی... اس مرتبہ انھوں نے غور سے چیخ کو سنا...

"یہ سو فی صد جعلی چیخ ہے... وہ ہمیں پھانسنا چاہتا ہے... اور ہم پھنس جانا چاہتے ہیں... آؤ چیخ کی سمت چلتے ہیں... ایسی کی تیسی میں جائے... جو ہو گا... دیکھا جائے گا۔" انھوں نے کہا۔

"بالکل ٹھیک۔" خان رحمان نے پرجوش انداز میں کہا۔

دونوں ایک بار پھر دوڑ پڑے... اسی طرح چیخ انھیں سنائی دیتی رہی... اور وہ آگے بڑھتے رہے... آخر وہ ایک پختہ سڑک پر پہنچ گئے...

"جنگل میں پختہ سڑک... کمال ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس طرف باہر والی سڑک ہے... اور اس طرف سے چیخ کی آوازیں تو آ رہی ہیں... لہذا ہمیں جنگل میں اندر کی طرف اس سڑک پر آگے بڑھنا ہو گا..." خان رحمان

نے کہا۔

"ہاں! وہ یہی چاہتا ہے۔"

وہ سڑک پر دوڑنے لگے... دوڑتے دوڑتے تھک کر رُک جاتے تو چیخ پھر سنائی دینے لگتی تھی... اس طرح وہ نہ جانے کب تک دوڑتے رہے... دوڑ دوڑ کر ان کا بُرا حال ہو گیا... اور پھر انھیں ایک عمارت نظر آئی عمارت کیا تھی... پورا قلعہ تھا... قلعے کے دروازے پر بیس کے قریب پہرے دار موجود تھے... اور ان کے کالروں پر ایک ایک چیونٹی بیٹھی تھی... پہرے داروں نے انھیں دیکھا... لیکن اپنی جگہ سے حرکت نہ کی... نہ چیونٹیوں میں کوئی حرکت ہوئی...

"تو وہ یہاں ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور چیونٹیوں کا ہیڈ کوارٹر یہاں ہے۔"

"ہاں! آؤ... اب ہم رُک نہیں سکتے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

دونوں آگے بڑھے... قلعے کا دروازہ خود بخود کھل گیا۔ انھوں نے حیران ہو کر پہرے داروں کی طرف دیکھا، وہ پتھر کے بتوں کی طرح کھڑے تھے...

"ارے... کہیں تم لوگ سچ مچ پتھر کے بت تو نہیں ہو" انھوں نے ان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا... اب تو

انسپکٹر جمشید سے رہا نہ گیا... انھوں نے ایک پہرے دار کو چھو کر دیکھا...

"ارے... یہ تو واقعی پتھر کے انسان ہیں۔"

"پتھر کے انسان... یار جمشید... اس وقت فاروق نہیں ہے... ورنہ وہ کہہ اٹھتا... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" خان رحمان نے کہا۔

"چلو تم نے جو اس کی کمی پوری کر دی۔"

وہ قلعے میں داخل ہو گئے... دروازہ خود بخود بند ہو گیا... آگے انھیں سڑک دکھائی دی... وہ اس پر چلتے رہے... یوں لگتا تھا... جیسے اس قلعے میں کوئی نہ رہتا ہو... آخر کمرے دکھائی دیے... وہ پہلے کمرے کی طرف بڑھے... اس کا دروازہ بند تھا انھوں نے تالے کے سوراخ میں سے اندر جھانکا... انھیں ایک زور دار جھٹکا لگا...

"خان رحمان... ایک جھٹکا تم بھی کھا لو۔"

"اچھی بات ہے... اللہ کا شکر ہے... کچھ تو کھانے کو ملا۔" وہ خوش ہو کر بولے۔

"بہت خوب... تم تو فاروق کی کمی واقعی پوری کر رہے ہو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"معلوم ہوتا ہے جمشید... تمھیں فاروق بہت یاد آ

رہا ہے۔"

"ہاں! اس میں تو شک نہیں۔"

"ان شاء اللہ... وہ ہمیں جلد ملیں گے۔"

یہ کہ کر خان رحمان نے بھی تالے کے سوراخ سے اندر جھانکا اور پھر ان کے جسم کو بھی جھٹکا لگا:

"ارے باپ رے... اس کمرے میں تو چیونٹیاں ہی چیونٹیاں ہیں۔"

"ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے... کہ اس نے اتنی چیونٹیاں بنا رکھی ہوں گی... ہمارا تو خیال تھا کہ دس بیس بنا لی ہوں گی... وہ بھی پورے شہر کے لیے کافی ہیں... یہ تو کئی سو ہیں۔"

"بھئی... جب ایک چیز بنائی جاتی ہے... پھر اس جیسی اور چیزیں بنانا کچھ بھی مشکل نہیں رہتا۔"

"آؤ آگے چلیں... آخر یہاں کوئی انسان کیوں نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"تاکہ ہم کسی کو شکست نہ دے سکیں۔" خان رحمان نے منہ بنا کر کہا۔

"بہت خوب! تمہارا یہ جملہ بھی پسند آیا۔"

"لیکن جمشید! یہ جملے ہمارے کس کام کے۔" خان رحمان

بولے۔

"ہم میں حوصلہ تو پیدا کر رہے ہیں۔"

"ارے... وہ رہے... محمود، فاروق اور فرزانہ۔" اچانک خان رحمان کے منہ سے نکلا۔

ان کی نظریں اوپر والی منزل کے ایک کمرے کی کھڑکی پر جا پڑی تھیں... انسپکٹر جمشید نے بھی فوراً ادھر دیکھا... کھڑکی میں واقعی تینوں کے چہرے نظر آ رہے تھے... لیکن انھیں دیکھ کر انسپکٹر جمشید کے چہرے کا رنگ اڑ گیا...

"یہ... کیا یہ زندہ ہیں۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"کیا مطلب؟" خان رحمان چلائے۔

انسپکٹر جمشید پاگلوں کی طرح ادھر اُدھر دوڑنے لگے... لیکن انھیں زینہ کسی طرف بھی نظر نہ آیا... آخر وہ اس کھڑکی کے نیچے آ کھڑے ہوئے اور بلند آواز میں بولے:

"محمود، فاروق... فرزانہ... بولو... تم ہوش میں تو ہو؟"

ان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا... نہ ان میں کوئی حرکت محسوس ہوئی... اچانک انھیں دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی...

وہ چونک کر مڑے... نچلی منزل میں ایک کمرے کا دروازہ کھلا تھا... وہ بے تحاشہ اس میں داخل ہو گئے... زینہ انھیں

اوپر جاتا نظر آیا... سیڑھیاں چڑھتے وہ اوپر پہنچے... اور اس کمرے میں داخل ہوئے... جس کی کھڑکی میں محمود، فاروق اور فرزانہ نظر آ رہے تھے...

انھوں نے دیکھا... وہ بالکل بے ہوش تھے... اور کھڑکی میں لٹائے گئے تھے... انھوں نے تینوں کو کمرے کے فرش پر لٹا دیا... اور انھیں ہلانے جلانے لگے... انسپکٹر جمشید نے ان کی نبض دیکھی... چل رہی تھی...

"یہ صرف بے ہوش ہیں... گھبرانے کی ضرورت نہیں۔"

"میری گھبراہٹ تو اب ویسے بھی ختم ہو گئی ہے... میں تو بس ان تک پہنچنا چاہتا تھا۔"

"اور ہم پہنچ گئے... محمود، فاروق... فرزانہ... آنکھیں کھولو۔"

"کھول دیں گے آنکھیں... گھبرانے کی ضرورت نہیں۔" ایک آواز کمرے میں گونجی... انھوں نے بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھا... لیکن بولنے والا نظر نہ آیا... یہ آواز بالکل ویسی تھی... جیسی وہ ٹی وی پر اعلان کرنے والے کی سن چکے تھے...

"تم کہاں ہو دوست... سامنے آ کر بات کرو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"پہلے میری بات سن لو۔"

"جی فرمائیے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"میرے ذہن میں ایک بات آئی تھی... میں نے اس پر عمل کر ڈالا۔"

"اور وہ بات کیا تھی۔"

"یہ کہ اگر پروفیسر لقمان نے جامنی روشنی دریافت کر لی، تو پھر تم اور وہ مل کر ایک بڑی طاقت بن جاؤ گے اور میرا کام خراب کر دو گے... لیکن اگر میں تمھیں اور اسے الگ الگ کر دوں تو پھر تم لوگوں کی طاقت تقسیم ہو جائے گی، اب تم جامنی روشنی کے بغیر کچھ نہیں کر سکو گے... جب کہ پروفیسر لقمان اگر جامنی روشنی دریافت کر بھی لیتا ہے... تو بھی فوراً اس پر قابو پا لیا جائے گا۔"

"وہ کیسے؟"

"تجربہ گاہ میں اس وقت آدمی ہی کتنے ہیں... صرف دو۔"

"گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم لوگ تمھارے جال میں آ گئے ہیں۔"

"ہاں! اب مجھے جامنی روشنی کی بھی کوئی پروا نہیں رہ گئی... اول تو پروفیسر لقمان ایسا کر نہیں سکے گا... اور اگر کر گزرا تب بھی فوراً اس پر قابو پا لیا جائے گا۔"

"لیکن کیسے... جامنی روشنی تو چیونٹیوں کو بے کار کر دے گی۔" انھوں نے کہا۔

"کوئی بات نہیں... عین اس وقت پروفیسر لقمان کو بے کار کر دیا جائے گا... اور کھیل ختم... تم لوگ یہاں پھنسے ہوئے ہو... اور چیونٹیوں کے پوری طرح قبضے میں ہو... وہ وہاں پھنس جائے گا... پھر پورے شہر پر میرا قبضہ ہو گا... اور یہ تو صرف ابتدائی سطح پر ہے... اس کے بعد دوسرے شہروں کی باری آئے گی... میں ان چیونٹیوں کے ذریعے پورے ملک پہ حکومت کروں گا... کہو کیسی رہی... میں اپنی ایک ایجاد کے ذریعے پورے ملک کا حکمران بن جاؤں گا۔ کوئی میرے آگے دم نہیں مار سکے گا... کوئی میرے خلاف سازش نہیں کر سکے گا... نہ فوج، نہ سیاست دان... سب میرا حکم مانیں گے... کتنا مزا آئے گا... کیوں انسپکٹر جمشید... خطرہ مجھے تم لوگوں سے تھا... سو میں نے تمھیں یہاں جمع کر دیا... اب یہاں جامنی روشنی بنانے کا سامان ہی نہیں ہے... تو تم کر کیا لو گے... ساری زندگی میرے لیے کام کرنا ہو گا... اور بس... باقی رہ گیا پروفیسر لقمان... اسے بھی یہیں لے آیا جائے گا... تجربہ گاہ بھی میرے قبضے میں ہو گی۔"

"اور پھر... کیا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید نے عجیب سے انداز میں

کہا۔

"کیا مطلب... کیا ہو گا۔"

"میرا مطلب ہے... تم کب تک اس طرح حکومت کر لو گے... کیا موت کو بھی شکست دے دو گے... کیا تمھیں موت نہیں آئے گی۔"

"موت تو ایک دن سب کو آنی ہے... لیکن جب تک میں رہوں گا... عیش کروں گا... جی ہاں۔"

نہ جانے اس وقت انسپکٹر جمشید کو کیا ہوا... وہ بہت زور سے اچھلے...

پہرے دار

پروفیسر لقمان انسپکٹر جمشید اور خان رحمان کے جانے کے
بعد اداس ہو گئے... کچھ دیر تک وہ کام بھی نہ کر سکے،
آخر راج بان نے ان سے کہا:
"کیا ہوا پروفیسر... تھک گئے؟"
"نہیں... میں تھکا نہیں... ان کے جانے سے اداس ہو
گیا ہوں... جب تک وہ یہاں تھے... ایک عجیب سا حوصلہ
تھا مجھ میں... لیکن اب وہ حوصلہ دور دور تک نہیں ہے۔"
"تو پھر آپ کچھ دیر آرام کر لیں۔" راج بان نے کہا۔
"لیکن... کام کا کیا کریں... چیونٹیاں تو ہمارے سروں
پر سوار ہو چکی ہیں۔"
"میں یہ تجربہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"
"آپ... آپ کریں گے۔" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔
"ہاں! میرا نام راج بان ہے... آپ مجھے نہیں جانتے...

لیکن پروفیسر داؤد مجھے بہت اچھی طرح جانتے تھے۔"
"ہوں! ٹھیک ہے... آپ کوشش کریں... میں بھی آپ
کا ساتھ دوں گا... آرام کرنے کی مجھے ضرورت نہیں۔"
"اچھا! تو پھر آئیے۔"
وہ ایک بار پھر تجربہ گاہ میں کام میں مصروف ہو گئے... دیر
تک کام میں جُٹے رہے... لیکن جامنی روشنی دریافت نہ کر
سکے... یہاں تک کہ پروفیسر لقمان کے چہرے پر مایوسی کے
آثار نظر آنے لگے...
"کوشش... شاید ہم وہ روشنی دریافت نہیں کر سکتے۔"
"ہم نے ایک کوشش نہیں کی۔" راج بان بولا۔
"اور وہ کیا؟"
"ہو سکتا ہے... پروفیسر داؤد نے اپنا فارمولا کہیں چھپا
دیا ہو۔"
"اوہ ہاں! اس طرف تو ہم نے واقعی توجہ نہیں دی۔"
پروفیسر لقمان بولے۔
"تو اب دیکھ لیتے ہیں۔"
دونوں فارمولے کی تلاش میں جُٹ گئے... لیکن یہ کوئی
آسان کام نہیں تھا... انسپکٹر جمشید یا چھوٹی پارٹی یہاں
ہوتی تو اس قسم کا کام کر ڈالتی... وہ تلاش کرنے کے

ماہر نہیں تھے... اس کے باوجود وہ کام میں لگے رہے۔

"پتا نہیں... اکرام کو کیا سراغ ملا تھا... کہ اب تک وہ اور جمشید لوٹ کر نہیں آئے۔" راج بان نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"یہ لوگ بھی عجیب ہیں... جب کسی کیس میں الجھتے ہیں تو پھر کھانے پینے کا ہوش تک کھو بیٹھتے ہیں... اور اس وقت تو معاملہ بہت بڑا ہے... وہ اپنے آپ کو بھلائے ہوئے ہوں گے۔" پروفیسر لقمان بولے۔

"افسوس! میں ان کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔"

"جامنی روشنی کا فارمولا اگر ہم نے تلاش کر لیا تو پھر اطمینان سے بیٹھ کر ان کے بارے میں بتاؤں گا۔" وہ مسکرائے۔

اچانک ایک خفیہ خانہ اتفاق سے نکل گیا... انھوں نے دیکھا... اس خانے میں کچھ کاغذات تھے...

"یا اللہ! یہ کاغذات جامنی روشنی کے ہوں۔" پروفیسر لقمان نے دعا مانگی۔

دونوں جلدی جلدی اسے پڑھنے لگے... اور پھر وہ اچھل پڑے... کاغذات واقعی جامنی روشنی کے تھے:

"وہ مارا۔" پروفیسر لقمان چلائے۔

"یہ ہوا ہے کام... بہت بڑا کام..." راج بان نے بھی خوش ہو کر کہا۔

"ہم ابھی اور اسی وقت فارمولے پر کام شروع کریں گے... تاکہ جلد از جلد شہر کو ان چیونٹیوں سے نجات مل جائے۔" پروفیسر لقمان بولے۔

"بالکل ٹھیک..." راج بان نے کہا۔

دونوں تجربہ گاہ میں داخل ہو گئے... انھوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا... اور کام میں مصروف ہو گئے... وقت بہت تیزی سے گزر رہا تھا... اسی رفتار سے ان کے ہاتھ چل رہے تھے... ایسے میں پروفیسر لقمان بولے:

"مسٹر راج بان... آپ نے غلط کر دیا۔"

"اوہو اچھا... ہاں ٹھیک تو ہے۔"

وہ پھر سے کام میں لگ گئے... بہت دیر گزر گئی... لیکن تجربہ گاہ میں جامنی روشنی نہ پھیل سکی... وہ اگر فارمولے پر پوری طرح کام کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو اس کا نتیجہ یہی نکلتا تھا... کہ کمرے میں جامنی روشنی پھیل جاتی... اور پھر وہ اس روشنی کو محفوظ کر لیتے... لیکن روشنی تھی کہ پھیلنے کا نام نہیں لے رہی تھی...

"میرا خیال ہے... راج بان صاحب... آپ ذرا ایک

طرف ہو جائیں... پہلے صرف میں کوشش کرتا ہوں... اس کے
بعد آپ کر کے دیکھیے گا... ہم میں سے کسی سے کوئی
ذرا سی غلطی ہو رہی ہے۔"

"اچھی بات ہے... ایسا بھی کر کے دیکھ لیتے ہیں۔"

وہ ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گئے... اب صرف پروفیسر
لقمان نے کام شروع کیا... راج بان انھیں کام کرتے
بغور دیکھنے لگے... اچانک پروفیسر لقمان نے راج بان
کی ایک زور دار چیخ سنی... اور پھر انھیں کوئی احساس
نہیں رہ گیا... ان کا دماغ تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا...

O

"کیا ہوا انسپکٹر جمشید... خیر تو ہے۔"

"پتا نہیں کیا ہوا تھا۔" وہ بولے۔

"کوئی بات تو ہے... جو اچھلے ہیں۔" آواز آئی۔

"ہاں! بات کوئی ضرور ہے... لیکن میں کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"گویا تم جانتے ہو... لیکن بتانا نہیں چاہتے۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"تو میں تم سے اگلوا لوں گا۔" اس نے کہا۔

"کوشش کر کے دیکھ لو۔"

"تھوڑی دیر ٹھہرو..." دوسری طرف سے کہا گیا... اور
آواز بند ہو گئی۔

"تمھیں کیا بات سوجھی ہے جمشید۔"

"پہلے ہم محمود، فاروق اور فرزانہ کو ہوش میں لانے
کی کوشش کرتے ہیں..." انسپکٹر جمشید نے بات کو ٹالتے ہوئے
کہا... خان رحمان سمجھ گئے... اور اس معاملے میں چپ سادھ
گئے...

انھوں نے انھیں ہوش میں لانے کی کوشش پھر سے
شروع کر دی... آخر انھوں نے باری باری آنکھیں
کھول دیں...

"آپ ہم لوگوں کے پاس پہنچ گئے ہیں یا ہم آپ
کے پاس۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"ہم تم لوگوں کے پاس آ گئے ہیں... یعنی ہیڈ کوارٹر
میں۔" انھوں نے کہا۔

"چلیے... یہ تو اچھی بات ہے... لیکن پروفیسر صاحبان
نظر نہیں آ رہے۔"

"پتا نہیں... انھیں کہاں رکھا گیا ہے... تم لوگ تو
ابھی اسی کمرے کی کھڑکی میں نظر آ گئے تھے... مکمل طور

پر بے ہوش تھے تم۔"

"ہم کہاں تک پہنچے ہیں ابا جان..." فرزانہ نے بے تابانہ انداز میں پوچھا۔

"بس... یوں سمجھ لو کہ کہیں تک بھی نہیں... تجربہ گاہ میں اس وقت پروفیسر لقمان البتہ موجود ہیں... اور اگر وہ جامنی روشنی بنا لیتے ہیں... تو سارا مسئلہ حل ہو سکتا ہے..."

"لیکن جمشید کیسے! اگر ہم وہاں ہوتے تو یہ بات کہی جا سکتی تھی۔" خان رحمان نے کہا۔

"اوہ ہاں!" انھوں نے فوراً کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔"

انھوں نے باس کی سکیم کے بارے میں بتایا... وہ دھک سے رہ گئے...

"اس کا مطلب ہے... اب اگر ادھر جامنی روشنی دریافت بھی ہو جائے... یا وہ کسی طرح پروفیسر انکل والا فارمولا تلاش بھی کر لیں... تو پھر بھی ہم کامیابی سے بہت دور ہوں گے۔"

"ہاں! بالکل۔"

"تب پھر بنے گا کیا۔"

"کوشش کرنا ہمارا کام ہے... ہو گا وہ جو اللہ کو منظور ہو گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آؤ بھئی... ذرا یہاں گھوم پھر لیں... کیوں مسٹر باس! ہم ادھر ادھر گھوم پھر سکتے ہیں نا۔" انسپکٹر جمشید نے بلند آواز منہ سے نکالی... لیکن باس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا...

"شاید مسٹر باس سو گئے۔"

"تھک گیا ہو گا بے چارہ... ارے..." فاروق کے منہ سے نکلا... ساتھ میں وہ اچھلا بھی...

"شکریہ... کوئی ارے تو سنائی دیا..." فرزانہ نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"ارے کی کیا بات ہے... میں تو لگا دوں گا ارے کے ڈھیر۔"

"بس بس... اتنی بھی ضرورت نہیں ہے ان کی۔" محمود گھبرا گیا۔

"فی الحال تم یہ بتاؤ... کہ اچھلے کیوں تھے..."

"بس... جی چاہ رہا تھا۔"

"نہیں... کوئی اور بات ہے۔"

"کہا نا... جی چاہ گیا تھا... اس لیے اچھل پڑا..."

اس نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ٹھیک ہے... محمود... فاروق کو تنگ نہ کرو۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

محمود سمجھ گیا کہ فاروق بتانا نہیں چاہتا... کیوں کہ اس کے ذہن میں یہ بات آئی ہے... بتانے کی صورت میں باس تک بھی پہنچ جائے گی۔"

وہ اس کمرے سے نکل کر بیرونی دروازے کی طرف چلنے لگے... اب انھیں تلاش تھی... پروفیسر صاحبان کی... وہ ایک ایک کمرے میں انھیں دیکھنے لگے... آخر ایک کمرے میں دونوں مل گئے... وہ بھی بے ہوش تھے... انھیں بھی ہوش میں لانے کی کوشش کی گئی... آدھ گھنٹے بعد کہیں جاکر وہ ہوش میں آئے...

"ہم... کہاں ہیں جمشید..."

"باس کے ہیڈ کوارٹر میں۔"

"کیا!!!" وہ چلّا اٹھے۔

"جی ہاں! آپ کے غائب ہونے کے بعد میں نے پروفیسر لقمان کو بلا لیا تھا۔"

"اوہ! تم نے اچھا کیا... لیکن تم یہاں تک پہنچ گئے، ان کی کیا خبر ہے؟"

"ہمیں ایک سراغ ملا تھا... ہم اس سراغ کے چکر میں یہاں آ گئے۔"

"بہت خوب! اس کا مطلب ہے... پروفیسر لقمان سے اب ہمارا کوئی رابطہ نہیں ہے؟"

"نہیں... لیکن اب ہم یہاں سے باہر نکلنے کی کوشش کریں گے... ہمیں دراصل آپ دونوں کی تلاش تھی۔"

وہ اس کمرے سے بھی باہر نکل آئے... ہر طرف چیونٹیاں نظر آ رہی تھیں... لیکن ان میں کوئی حرکت نہیں کر رہی تھی... وہ صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگے... اور یہ دیکھ کر انھیں حیرت ہوئی کہ دروازہ کھلا ہوا تھا:

"موقع اچھا ہے... ہم یہاں سے نکل سکتے ہیں... کوئی راستہ نہیں روک رہا۔"

"شاید ان چیونٹیوں کو حکم نہیں ملا ہوا کہ ہمارے بارے میں کیا کرنا ہے۔"

"ہاں! ہو سکتا ہے... باس بھول گیا ہو۔"

وہ دروازے تک پہنچ گئے... اندر بھی چیونٹیاں موجود تھیں... اور باہر بھی... لیکن سب بے حرکت تھیں... لیکن جونہی انھوں نے باہر قدم رکھنا چاہا... دروازہ بند ہو گیا... اور باس کی آواز سنائی دی:

"نہیں مسٹر جمشید... تم لوگ اب باقی زندگی یہیں گزارو گے... لو اس دروازے کو اپنی طاقت یا کسی ترکیب سے کھول سکتے ہو .... تو کھول لو جی ہاں۔"

"اچھی بات ہے... ہم یہ کوشش بھی ضرور کریں گے، لیکن تم سے ملاقات کب ہو گی؟"

"ملاقات کی ضرورت نہیں... میں تمھیں جب چاہوں، دیکھ سکتا ہوں۔"

"ہم پروفیسر لقمان کا حال جاننا چاہتے ہیں..."

"انھوں نے جامنی روشنی کا فارمولا تلاش کر لیا تھا، لہذا مجھے ان کا بھی بندوبست کرنا پڑا۔"

"کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ چلائے۔

"مطلب یہ کہ اب وہ بھی میرے قبضے میں ہیں... اور بہت جلد آپ لوگوں کے پاس پہنچ جائیں گے... لیجیے.... وہ آ گئے۔"

اسی وقت ایک گاڑی آتی نظر آئی... اور پھر عمارت میں داخل ہو گئی... انھوں نے دیکھا... اس میں پروفیسر لقمان بے ہوش پڑے تھے... لیکن ان کے ساتھ راج بان نہیں تھے...

"اور مسٹر راج بان کہاں رہ گئے؟"

"وہ زخمی ہو گئے ہیں... زخمی حالت میں یہاں نہیں لائے جا سکتے تھے... یہاں ان کی مرہم پٹی کون کرتا... بہرحال آپ پروفیسر لقمان کو وصول فرما لیں۔"

گاڑی وہیں رک گئی... انھوں نے اس پر سے پروفیسر لقمان کو اتار لیا... گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر کوئی بت قسم کا آدمی بیٹھا تھا... اسے گویا کچھ پتا نہیں تھا...

... گاڑی اسی وقت واپس چلی گئی... اور قلعے کا دروازہ بند ہو گیا...

"مسٹر باس! اب آپ سے کب ملاقات ہو گی؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"دوسرے کیسوں میں اور اس کیس میں بس یہی فرق ہے انسپکٹر جمشید" طنزیہ انداز میں کہا گیا۔

"کیا فرق ہے؟"

"یہ کہ میری تم سے کوئی براہِ راست ملاقات نہیں ہو گی... میں وہ باس نہیں ہوں... جو اکثر فون میں آکر تمھیں سامنے بلائے یا خود سامنے چلا آئے... اور پھر تمھاری کسی چال کا شکار ہو جائے۔"

"چال کا شکار... بھئی واہ! یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔" محمود فوراً بولا۔

"گویا آپ اس قلعے میں نہیں آئیں گے۔"

"میں اسی قلعے میں موجود ہوں... تلاش کر کے مجھ تک پہنچ سکتے ہو... تو پہنچ جاؤ... لیکن اتنا خیال رہے... اب تک مردہ نظر آنے والی چیونٹیاں... اب بے حرکت نہیں رہیں گی... میں نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک چیونٹی مقرر کر دی ہے... وہ تمھاری نگرانی کریں گی... اور تمھیں ادھر اُدھر نہیں جانے دیں گی۔"

"اگر ہم قلعے سے باہر نکل جائیں... تو یہ کیا کریں گی؟"

"اوّل تو تم نکل نہیں سکتے... نکل بھی گئے تو چیونٹیوں کا شکار ہو جاؤ گے۔"

"تم ابھی یہاں آئے ہو... یا پہلے سے ہی یہاں تھے؟" انسپکٹر جمشید نے کچھ سوچ کر کہا۔

"اس سوال کا جواب میں نہیں دے سکتا... ویسے تمھارا یہ سوال سن کر مجھے حیرت ہوئی ہے... اور اس کا مقصد بھی سمجھ میں نہیں آیا۔"

"جب کہ یہ میرے لیے بہت اہم ہے... اگر تم بتا دو تو انعام ملے گا۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"کیا کہا... انعام ملے گا... بہت خوب انسپکٹر جمشید...

تم بہت زندہ دل ہو... انعام اور تم مجھے دو گے۔"

"ہاں! یہ بات نوٹ کر لیں... میں آپ کو ایک ایسا انعام دوں گا... کہ آپ اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے... اور نہ وہ انعام آپ کے وہم و گمان میں آ سکتا ہے۔" انھوں نے کہا۔

"اچھا چلو! یہ تجربہ بھی کر لیتے ہیں... میں ابھی ابھی یہاں پہنچا ہوں... شہر ایک ضرورت کے تحت گیا تھا... اس دوران میرا ایک ماتحت یہاں میری آواز میں بات چیت کرتا رہا ہے... ٹی وی پر احکامات بھی اسی نے سنائے تھے، لیکن اب میں یہیں ٹھہروں گا... کیوں کہ شہر میں اب ہمارا کوئی کام نہیں رہا... یہ قلعہ اب ہر طرح محفوظ ہے... اس کی طرف بڑھنے والی بڑی سے بڑی فوج بھی اس قلعے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی... بلکہ الٹا فوج کا بیڑا غرق ہو جائے گا... ایک چیونٹی ایک منٹ میں فوج کے ایک دستے کو الٹ سکتی ہے... اور یہاں تو ہم نے سیکڑوں چیونٹیوں کی فوج تیار کر رکھی ہے... ان کے علاوہ شہر میں بھی مقرر ہیں..."

"اچھی بات ہے... آپ نے مجھے یہ بات بتا دی... میں [illegible] وعدہ کرتا ہوں کہ اگر بانڈ پٹ اور آپ ہمارے ہاتھ

لگ گئے تو پھر میں آپ کو ایک عدد انعام ضرور دوں گا۔"

"مجھے افسوس ہے... تم ایسا نہیں کر سکو گے... اس لیے کہ تم یہاں سے نکل ہی نہیں سکو گے... مجھ پر قابو پانے کی بات تو رہی الگ۔"

"کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔"

"ضرور کوشش کرو... پہلے تو اپنے ساتھی کو ہوش میں لاؤ۔"

"یہاں ہمیں کھانے پینے کو کس طرح ملے گا۔"

"یہاں پورا عملہ موجود ہے... آپ لوگوں کی ہر خدمت بجا لائے گا... فرق صرف یہ ہے کہ کسی چال کی بنیاد پر تم مجھ تک نہیں پہنچ سکو گے... اس لیے کہ عملے کو تو حکم دے سکو گے... چیونٹیوں کو نہیں... اور تمھاری اصل نگرانی چیونٹیوں کے ذمے ہے... ذرا اپنے پیچھے دیکھو..." باس یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا...

انھوں نے ایک ساتھ پیچھے دیکھا... چار چیونٹیاں بالکل پہرے داروں کی طرح کھڑی تھیں...

آخری وار

"گویا یہ ہمیں کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کرنے دیں گے۔" فاروق کی آواز ابھری۔

"ہاں بالکل... تم لوگ دروازے کی طرف جا کر دیکھو... ابھی پتا چل جائے گا۔"

"فی الحال تو ہمارا دروازے کی طرف جانے کا کوئی موڈ نہیں ہے... ویسے اگر ہم دوڑ لگا دیں... تو یہ کیا کر لیں گی۔"

"دوڑ لگا کر دیکھ لیں۔" باس نے ہنس کر کہا۔

"آؤ بھئی... ذرا دوڑ ہو جائے..." محمود نے کہا... اور دروازے کی طرف دوڑ لگا دی... فاروق اور فرزانہ نے بھی اس کا ساتھ دیا... جب کہ دوسروں کی نظریں چیونٹیوں پر تھیں... ان میں سے صرف ایک چیونٹی بجلی سے زیادہ تیزی سے اڑی... اور پھر انھوں نے محمود، فاروق اور

فرزانہ کی چیخیں سنیں... وہ زمین پر پڑے بُری طرح تڑ
رہے تھے...

وہ گھبرا کر ان تک پہنچے... لیکن اسی وقت وہ بے ہو
ہو گئے...

"اُف مالک! یہ کیا ہوا۔"

"اس قسم کی حرکت کا یہی انجام ہوگا۔" باس بولا۔

"معلوم ہو گیا..." انسپکٹر جمشید نے بُرا سا منہ بنایا۔

"اب یہ ہوش میں کس طرح آئیں گے... ہم یہاں لے
گے... کہاں اور کریں گے کیا۔"

"ابھی آپ کے خادم آپ تک پہنچ جائیں گے... وہ
آپ لوگوں کو ہر بات بتا دیں گے... آئندہ اسی دروازے
کی طرف کبھی رخ نہ کیجیے گا۔"

باس کی آواز بند ہو گئی... ایک منٹ بعد ہی چار سیاہ
فام انسان آتے نظر آئے... چیونٹیاں پہلے کی طرح ان کے
پیچھے موجود تھیں... چوتھی بھی اپنی جگہ پر واپس آ چکی
تھی... انھوں نے محمود، فاروق اور فرزانہ کو ہلایا جلا
لیکن وہ ہوش میں نہ آئے...

"جی فرمائیے... کیا حکم ہے..." سیاہ پوش نزدیک آ کر
ایک ساتھ بولے۔

"ہمیں ہمارے کمرے دکھا دیں۔"

"کمرے نہیں... ایک کمرہ... آپ لوگوں کو صرف ایک کمرہ دیا
گیا ہے۔"

"ایک کمرے میں اتنے آدمی کس طرح رہیں گے؟"

"آپ لوگ آیئے تو سہی۔"

"اور ہم اپنے بے ہوش بچوں کا کیا کریں۔"

"ہم انھیں اٹھا لیتے ہیں... آپ فکر نہ کریں۔"

ان میں سے تین نے تو محمود، فاروق اور فرزانہ کو اٹھا لیا،
اور ان سے آگے چلنے لگے... چوتھا ان کے پیچھے چلا...
اور اس سے پیچھے چیونٹیاں تھیں... یہ قافلہ ایک کمرے
کے دروازے پر پہنچ کر رک گیا... چوتھے نے دروازے
کا تالا کھول ڈالا... اور وہ اندر داخل ہو گئے... کمرہ
کیا تھا... پورا ہال تھا... اور اس میں پچاس آدمی آسانی
سے رات بسر کر سکتے تھے... کمرے کے فرش پر گھاس
پھوس بچھی تھی...

"یہ آپ کا کمرہ ہے... کسی چیز کی ضرورت ہو تو آپ
گھنٹی بجا دیا کریں... کھانا اپنے اوقات پر خود پہنچ جایا
کرے گا... آپ لوگ پورے قلعے کی سیر کر سکتے ہیں...
جس طرف جانا منع ہے... اس جگہ پہلے ہی بورڈ لگا

دیے گئے ہیں... مثلاً آپ صدر دروازے کا رخ ہرگز نہ
کریں... ورنہ انجام ان جیسا ہوگا... باس کی رہائش گاہ
کا رخ نہ کریں... انجام اس سے بھی بھیانک ہو سکتا ہے
اور عملہ جہاں کام کاج کرتا ہے... اس طرف نہ جائیں...
باقی آپ پورے قلعے کی سیر کر سکتے ہیں... فی الحال آپ
کے ذمے کوئی کام نہیں لگایا گیا... جب آپ کے ذمے کام
لگا دیا جائے گا... اس وقت آپ کو تمام دن کام کرنا
ہوا کرے گا... رات کو آپ یہاں آکر آرام کیا کریں گے۔"

"بہت بہت شکریہ جناب..." انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ اگر پسند کریں تو آپ کے گھر کے باقی افراد کو
بھی یہیں لایا جا سکتا ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" انسپکٹر جمشید فوراً بولے۔

"یہ ہم نے اس لیے پوچھا کہ رہنا تو اب آپ کو ہمیشہ
ہمیشہ یہیں ہے۔"

"پھر بھی ہم انھیں نہیں بلائیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ لوگوں کی مرضی... اگر کبھی ان کی ضرورت محسوس
کریں... تو ہم انھیں یہاں لے آئیں گے... لیکن پھر انھیں
بھی یہیں رہنا ہوگا... وہ واپس نہیں جا سکیں گے۔"

"کیوں! واپس جانے میں کیا [illegible]

کیا ہم اس طرح آپ کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں؟"

"یہ بات نہیں... یہاں ہمارے کچھ اصول ہیں... ہم بس ان
پر عمل کرتے ہیں... یہاں آنے والے واپس نہیں جاتے۔ یہاں
تک کہ مر کر بھی نہیں جاتے... انھیں یہیں گڑھا کھود کر
دبا دیا جاتا ہے۔"

"تم لوگ بھی؟"

"ہاں! ہم اب باس کے قیدی ہیں۔"

"ہوں! اچھا ٹھیک ہے... یہ بچے کس طرح ہوش میں
آئیں گے... چیونٹی نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟"

"چیونٹی صرف ان سے ٹکرا کر گزر گئی تھی... اور بس...
اگر اسے ان کے جسموں میں سے گزرنے کا حکم ہو جاتا
تو وہ ان کے جسموں کے درمیان سے گزر جاتی اور پھر
اس وقت یہ مردہ ہوتے... لیکن ہمارے باس ظالم نہیں
ہیں... بہت مہربان ہیں۔"

"تم اس کے غلام ہو... اپنی مرضی سے اپنے گھروں کو
نہیں جا سکتے... پھر بھی اس کی تعریف کر رہے ہو۔"

"ہم ایسا کیوں نہ کریں... جب کہ ہمیں یہاں ہر طرح کی
عیش ہے۔"

"ہوں! ٹھیک ہے... تم جا سکتے ہو۔"

اس کے جانے کے ایک گھنٹے بعد محمود، فاروق اور فرزانہ ہوش میں آ سکے...

"اُف مالک... اب ہم کہاں ہیں؟"

"اسی قلعے کے ایک کمرے میں... اب یہی ہمارا ٹھکانا ہے..."

"تم نے دروازے کی طرف دوڑ لگائی تھی... یہ دیکھنے کے لیے کہ کیا ہوتا ہے... پھر تم چیخ کر گرے تھے... اور بے ہوش ہو گئے تھے... چار چیونٹیاں جو ہمارے پیچھے تھیں... ان میں سے ایک فوری طور پر اڑی تھی... اور پھر تم تینوں چیخ اٹھے تھے... یہ تم بتاؤ... تم نے کیا محسوس کیا تھا۔"

"ہمیں تو بس یوں لگا تھا... جیسے کوئی زبردست چیز ہم سے ٹکرائی ہو... جسم سن ہوتے محسوس ہوئے تھے۔"

"ہوں! پروفیسر صاحبان... اب آپ کیا کہتے ہیں، اب ہم سب یہاں جمع ہو گئے ہیں۔"

"ہم اس جگہ جامنی روشنی ہرگز تیار نہیں کر سکتے... یہاں وہ سامان ہی میسر نہیں آ سکے گا۔"

"تب پھر... یہ شخص پورے شہر پر مسلط ہو جائے گا اور اس کے بعد دوسرے شہروں پر بھی... آ جائے گی۔"

اس طرح پورا ملک اس کے قبضے میں ہو گا... ایک شخص پورے ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بن جائے گا... پھر وہ کیا کچھ ستم نہیں توڑے گا... آپ اندازہ لگا سکتے ہیں؟"

"ہاں! ہم اندازہ لگا سکتے ہیں... لیکن جمشید... تم ہی بتاؤ... ہم کیا کر سکتے ہیں... ساز و سامان کے بغیر ہم جامنی روشنی کس طرح تیار کر سکتے ہیں؟"

"تو پھر کوئی اور ترکیب سوچیے؟"

"اس کے سوا کیا ترکیب سوچی جا سکتی ہے... کہ تم کسی طرح باس تک پہنچ جاؤ... اور اس کی گردن مروڑ دو۔"

"ہم اس کمرے سے جونہی کسی ایسی سمت میں نکلیں گے... جس سمت میں جانا منع ہے تو چیونٹی ہمارے راستے میں آئے گی... ہمارے جسم سے ٹکرائے گی... اور ہمیں بے ہوش کر دے گی... یا پھر ہمارے جسموں کے آر پار نکل جائے گی۔"

"یہ سوچنا تمہارا کام ہے جمشید... رہ گئے ہم... ہمیں تم کسی طرح تجربہ گاہ پہنچا دو... پھر دیکھو... ہم اس کا بیڑہ غرق کس طرح غرق کرتے ہیں۔"

"ہم ایسا کرنے کی پوری کوشش کریں گے... آپ بھی غور کرتے رہیں... کیا ہم یہاں سے ویسی چیزیں حاصل

نہیں کر سکتے... جو آپ کے کام آئیں۔"

"یہاں سے... ہرگز نہیں... وہ تو خالص سائنسی چیزیں ہیں!"

"لیکن انکل... یہ چیونٹیاں بھی تو خالص سائنسی چیزیں ہیں!" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہاں! ہیں... لیکن ہم ان کی مدد سے جاسوسی روشنی نہیں بنا سکتے... بات دراصل یہ ہے کہ..." پروفیسر داؤد کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... وہ کسی گہری سوچ میں گم ہو چکے تھے... انھوں نے انھیں پکارنا مناسب نہ سمجھا... خاموش رہ کر ان کی طرف دیکھتے رہے... اچانک وہ چونکے، اور ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولے:

"جمشید! مجھے ابھی ابھی ایک زوردار خیال آیا ہے۔"

"لیکن جونہی آپ وہ زوردار خیال بتائیں گے... باس کو بھی معلوم ہو جائے گا۔" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔

"اوہ ہاں! یہ تو ہے۔" انھوں نے چونک کر کہا۔

"لہٰذا آپ ہمیں نہ بتائیں... اپنے پاس رکھیں۔"

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی..." ایسے میں فرزانہ کی آواز سنائی دی۔

"چلو تم بھی بتا دو... وہ کون سی بات ہے۔"

"باس نے صرف ہمیں یہاں [illegible]

صرف ہم لوگوں سے خطرہ ہے... سوال یہ ہے کہ وہ ہمیں زندہ کیوں رکھنے پر مجبور ہے... ہمیں ختم کر کے بے فکر کیوں نہیں ہو جاتا...؟"

"شاید وہ کسی موقعے پر ہم سے کوئی کام لینا چاہتا ہے" انسپکٹر جمشید نے خیال ظاہر کیا۔

"مطلب یہ ہوا کہ ہم یہاں بالکل بے بس ہیں؟"

"نہیں! ہم اس کے خلاف کام جاری رکھیں گے، اپنی کوشش کرتے رہیں گے... مثال کے طور پر میں آج باس کے کمروں کی طرف جانے کی کوشش کروں گا۔" انسپکٹر جمشید نے اب اشاروں میں بات شروع کی... اور انھیں بھی اشارہ کیا کہ اشاروں میں ہی بات کریں۔

"یہ... یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"میرے ذہن میں ایک خیال ہے... ایک آئیڈیا ہے... میں اس کے تحت عمل کروں گا... تم لوگ دعا کرو۔"

"تب پھر ہم بھی ساتھ چلیں گے۔"

"نہیں! اس طرح تو ہم سب پھنسیں گے... میں چاہتا ہوں سب ایک ساتھ نہ پھنسیں... کچھ تو کام کرنے کے لیے باقی بچ رہیں۔"

"اگر ہم سب پھنس گئے اور ہماری کوئی خیر خبر نہ لی

تو یہ اطلاع انکل کامران مرزا کو تو مل ہی جائے گی۔"

"وہ بھی یہاں آ کر کیا کر لیں گے... اس سارے معاملے کا واحد حل تو صرف یہ ہے کہ... ہم کسی تجربہ گاہ پہنچ جائیں۔"

"اور میں آپ کو تجربہ گاہ پہنچا دوں گا۔" انسپکٹر جمشید نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"بہت خوب جمشید! ان حالات میں تم اتنا بڑا دعویٰ کر سکتے ہو... میں تو سوچ بھی نہیں سکتا۔" پروفیسر غوری نے حیران ہو کر کہا۔

"لیکن ابا جان! جب تک ہم تجربہ گاہ پہنچیں گے... اس وقت تک وہ بھی چیونٹیوں کے ذریعے حملہ کر دے گا۔" فرزانہ بولی۔

"تمھاری عقل کس دن کام آئے گی... سوچیے کوئی ترکیب۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

پھر وہ سبھی سوچ میں ڈوب گئے... ایسے ہی فرزانہ نے اپنا منہ انسپکٹر جمشید کے کان سے لگایا... اور بہت ہی دھیمی آواز میں کچھ کہا... انسپکٹر جمشید نے سمجھ جانے والے انداز میں سر ہلایا اور پھر قدرے بلند آواز میں بولے:

"مسٹر باس! میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"کہو..." آواز آئی۔

"کیا ہم ہر وقت آپ سے بات چیت کر سکتے ہیں؟"

"نہیں... ہر وقت نہیں۔"

"تب پھر ہمیں بات چیت کے اوقات بتا دیں۔"

"تم لوگ میرے خلاف سازش میں مصروف ہو... ابھی ابھی فرزانہ نے انسپکٹر جمشید کے کان میں کچھ کہا ہے... افسوس... میرے آلات بھی اس آواز کو اتنا بڑا نہیں کر سکے کہ میں سن لیتا... خیر کوئی بات نہیں... تمھاری کوئی سازش کامیاب نہیں ہو سکے گی۔"

"ہو سکے گی یا نہیں... ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کے عادی نہیں ہیں... ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔"

"تم لوگوں کے ذمے بہت کام لگائے جائیں گے... فکر نہ کرو... یہاں بے کار کوئی بھی نہیں بیٹھ سکے گا۔"

"بہت بہت شکریہ مسٹر باس... آپ نے اوقات نہیں بتائے۔" انھوں نے پھر پوچھا۔

"ہاں! صبح ۷ بجے تا بارہ... شام آٹھ تا رات بارہ، بس یہی ہیں مجھ سے بات چیت کے اوقات... ان اوقات کے علاوہ کچھ بات کرنا ہو یا کوئی کام ہو تو گھنٹی بجا کر تم لوگ حبشی غلاموں کو بلا سکتے ہو۔"

"یہ حبشی غلام تم نے کہاں سے پکڑے۔"

"خریدے تھے۔" وہ ہنسا۔

"کیا کہا... خریدے تھے... تو آج کل انسان بھی خریدے اور بیچے جاتے ہیں۔"

"یہ کاروبار تو آج کل عام ہے... تمہارے ملک میں بھی۔" باس نے کہا۔

"حیرت ہے... میں نے تو سنا نہیں۔"

"کبھی سن لوگے... ارے یہ تم نے مجھے کن باتوں میں الجھا لیا... اب آرام کرو۔"

آواز بند ہو گئی... انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... گھڑیوں کی طرف دیکھا اور پھر انتظار کرنے لگے... اور جب رات کے دو بج گئے... تو انھوں نے گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ دو منٹ بعد ایک حبشی ان کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر غصے کے آثار تھے:

"یہ بلانے کا کون سا وقت ہے۔"

"باس نے ہی بتایا تھا... کہ آپ لوگوں کو کسی وقت بھی بلایا جا سکتا ہے... ہم نے آپ کو زحمت دی، معافی چاہتے ہیں... اگر اس نے بلانے کے اوقات بتا دیے ہوتے تو ہم اس وقت آپ کو ہرگز نہ بلاتے۔" انسپکٹر جمشید نے

محبت بھرے انداز میں کہا۔

"خیر... کوئی بات نہیں... کہیے کیا کام ہے۔"

"ہمیں آپ سے کچھ باتیں کرنا ہیں... آپ بیٹھ جائیے۔"

"جی فرمائیے!" یہ کہہ کر وہ فرش پر بیٹھ گیا۔

"باس آپ لوگوں کو اپنے کمرے میں بلاتا ہے۔"

"نہیں... وہ ہمیں اپنے کمرے میں کبھی نہیں بلاتا... ہم آواز کے ذریعے اس کے احکامات سنتے رہتے ہیں۔"

"آپ اگر صدر دروازے سے باہر جانا چاہیں تو کیا آپ جا سکتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں... یہ چیونٹیاں ہمیں فوراً مار ڈالیں گی۔" اس نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"اوہ! میرا خیال تھا... شاید آپ لوگ باس تک جا سکتے ہیں..." یہ کہہ کر انھوں نے فرزانہ کی طرف دیکھا... اور اشاروں میں کہا... "فرزانہ تمہارا اب خیال تو بے کار گیا۔"

ایسے میں پروفیسر داؤد بولے:

"گویا آپ لوگ بھی ان اطراف میں نہیں جا سکتے... جن اطراف میں ہمیں جانے سے روک دیا گیا ہے۔"

"ہاں! ان حصوں میں کوئی نہیں جا سکتا۔"

"کیا آپ اس غلامی کی زندگی سے خوش ہیں۔"

"غلامی کی زندگی سے بھی کوئی خوش ہوتا ہے۔" اس کی
آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"اگر آپ یہاں سے آزاد ہونا چاہتے ہیں... تو ہمارا ساتھ
دیں۔" انسپکٹر جمشید نے اس کے کان میں کہا۔

"لیکن کیسے؟" اس نے بھی کان میں کہا۔

"باہر نکلنے کا راستا آپ بتا دیں... ہم آپ کو بھی اپنے
ساتھ لے چلیں گے۔"

"اور ان چیونٹیوں کا کیا کریں گے؟"

"ان کا بھی کچھ کر لیں گے... پہلے آپ راستا تو بتائیں۔"

"آئیے میرے ساتھ۔" اس نے کان میں کہا۔

وہ دبے پاؤں اس کے ساتھ باہر نکلے... وہ انھیں عمارت
کے پچھلے حصے میں لے آیا... اور کان میں بولا:

"اس طرف چیونٹیاں نہیں ہیں... لیکن یہ دیوار اس
قدر اونچی ہے اور پختہ ہے کہ ہم اس طرف سے فرار ہونے
کے بارے میں آج تک سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ ہمیں یہاں لے آئے
یقین کر لیں... ہم اس طرف سے باہر نکل جائیں گے۔"

"لیکن کیسے..." اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آپ جا کر اپنے ساتھیوں کو بھی بلا لائیں... لیکن خیال

رہے... آواز نہ نکلے... غالباً اس وقت وہ سو جاتا ہے۔"

"ہاں! یہ اس کے سونے کا وقت ہے... لیکن ان چیونٹیوں
کی وجہ سے اس کے سونے نہ سونے سے کوئی فرق نہیں
پڑتا۔" حبشی غلام نے کہا۔

"کوئی بات نہیں... اس سے بنیادی غلطی ہو چکی ہے
[...]ے اس طرف بھی کوئی چیونٹی مقرر کر دینی چاہیے تھی۔"

"تو کیا میں جا کر اپنے ساتھیوں کو لے آؤں؟"

"ہاں بھئی... بالکل۔"

"لیکن آپ دیوار کا کیا کریں گے؟"

"آپ جائیں... یہ ہمارا کام ہے... اور دیر نہ لگایئے
گا... ہم زیادہ دیر تک انتظار کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے کہا اور لپکتا ہوا چلا گیا۔

"محمود چاقو نکالو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

چاقو کے ذریعے انھوں نے دیوار میں سوراخ کرنے کی
کوشش شروع کر دی... بہت جلد ایک اینٹ کے برابر
سوراخ ہو گیا... اور پھر تو سوراخ بڑا ہوتا چلا گیا... ادھر
وہ باہر نکلنے میں کامیاب ہوئے... ادھر حبشی آ گئے...
وہ اس سوراخ کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے:

"[...]ت ہے... فولاد کی طرح مضبوط دیوار میں آپ لوگوں

نے اس قدر جلد سوراغ کس طرح کر لیا۔"

"اس بات کو چھوڑیں... ہمارے ساتھ چلیں... ابھی ہمیں آپ سے بہت کام ہے۔"

"آزادی کے لیے تو ہم کچھ بھی کر سکتے ہیں... آپ فکر نہ کریں۔"

وہ باہر نکل آئے... اب ایک لمبا چکر لگایا گیا... اس طرح وہ سڑک پر آئے... اور دوڑنے لگے... اب انھیں شہر تک دوڑنا تھا... جلد ہی پروفیسر صاجان کا سانس پھول گیا۔ انسپکٹر جمشید فکر مند ہو گئے... ان کے پاس وقت بہت کم تھا... اور پروفیسر صاجان کے بغیر تجربہ گاہ میں وہ کام نہیں ہو سکتا تھا... آخر انسپکٹر جمشید نے پروفیسر داؤد کو کندھے پر اٹھا لیا... اسی طرح خان رحمان نے پروفیسر غوری کو، اور پروفیسر لقمان کو ایک حبشی نے، اب ان کی رفتار کم ہو گئی... لیکن اسی وقت ایک ٹرک پیچھے سے آ گیا، اور انھیں اس میں لفٹ مل گئی... اس طرح وہ شہر تک پہنچے... شہر میں ہُو کا عالم طاری تھا... یوں لگتا تھا... جیسے یہ مُردوں کا شہر ہو... رات کے وقت بھی اس شہر میں ٹریفک بالکل ختم ہرگز نہیں ہوتی تھی... لیکن آج دور دور تک نہیں تھی... انھیں اس ٹرک ڈرائیور پر حیرت ہوئی:

"کیوں بھئی... تم کس طرح رات کو سفر کر رہے ہو... جب کہ سارا شہر گھروں میں دبکا ہوا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"مجھے کچھ نہیں معلوم... میں دوسرے شہر سے کئی روز پہلے روانہ ہوا تھا... راستے میں میرا گاؤں ہے، وہاں ٹھہرا رہا ہوں... ٹرک کے مالک سے پہلے ہی اجازت لے لی تھی۔" اس نے بتایا۔

"اوہ اچھا... خیر تم جاؤ۔"

"لیکن بات کیا ہے... یہاں موت کا سناٹا کیوں ہے؟"

"صبح ہو گی تو معلوم ہو جائے گا... تم جاؤ... تمھیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

وہ چلا گیا... انھوں نے تجربہ گاہ کی راہ لی... یہاں سے فاصلہ زیادہ نہیں تھا... وہ سڑک پر ہی جانا پسند کرتے، اور پھر تجربہ گاہ کے پچھلی طرف سے خفیہ راستے سے اندر داخل ہوتے... صدر دروازے سے اگر وہ داخل ہوتے... تو چیونٹیاں ان کا کام خراب کر ڈالتیں... اور پھر تینوں پروفیسر صاجان تجربہ گاہ میں مصروف ہو گئے... پروفیسر داؤد کو تو فارمولا معلوم ہی تھا... انھیں جامنی روشنی پھر سے بنانے میں دیر نہ لگی... جلد ہی پوری تجربہ گاہ جامنی روشنی سے

نہا گئی... پھر انھوں نے سائنسی آلات کے ذریعے اس روشنی کو
ٹارچوں میں قید کیا... بکسوں میں بھرا اور باہر نکل آئے... اس
وقت وہ صدر دروازے کی طرف سے باہر نکلے تھے... باہر
چیونٹیاں موجود تھیں... لیکن وہ بالکل بے بس نظر آئیں۔

"وہ مارا۔" فاروق چلایا۔

"ان کو اس ڈبے میں بند کرتے رہو... جو چیونٹی بھی
نظر آ جائے... پکڑ لو... بعد میں ہمارے کام آئیں گی۔" پروفیسر
نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ کیا فرمایا... کام آئیں گی... بھلا یہ کیا کام آئیں
گی۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ہم انھیں دشمن ملکوں کے خلاف کام میں لائیں گے۔"
انھوں نے کہا۔

"اوہ! یہ کتنا اچھا استعمال ہو گا ان کا... حملہ آور
ملک کو منہ توڑ جواب دیا جا سکے گا ان کے ذریعے۔"

"ہاں! اور اب تک جو ملک ہمیں دھمکیاں دیتے رہے
ہیں... ان کا منہ بھی ان ایجاد کے ذریعے بند کیا جا
سکے گا..."

"مزہ آ جائے گا۔" خان رحمان بولے۔

اب وہ اپنی گاڑیوں میں اس قلعے کی طرف روانہ

ہوئے... وہاں حالات جوں کے توں تھے... اندر کسی تبدیلی
کے آثار نہیں تھے... انھوں نے دروازے والی چیونٹیوں کو
بھی ڈبے میں بند کر لیا... اس ڈبے میں بھی جامنی روشنی بھری
ہوئی تھی... اس طرح کہ خارج نہیں ہو سکتی تھی... اب وہ
اندر داخل ہوئے... راستے میں ملنے والی ہر چیونٹی کو انھوں نے
بند کر لیا... کمرے میں جو چیونٹیاں بھری ہوئی تھیں... انھیں
ایک تھیلے میں ڈال لیا گیا... اندر جامنی روشنی کی ایک ٹارچ
روشن کر دی گئی... اب وہ باس کے کمرے کی طرف بڑھے...
اس کے دروازے پر جو چیونٹیاں تھیں... ان پر بھی قابو پا لیا
گیا... آخر انھوں نے دروازے پر دستک دی... تیسری دستک
پر باس کی آواز ابھری:

"کون ہے... کیا بدتمیزی ہے"

"سر... سر... وہ چیونٹیاں... غائب ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے
...شی کی آواز میں کہا۔

"کیا کہا... چیونٹیاں غائب ہیں۔" باس چلایا۔

"ہاں! آپ بے شک باہر نکل کر دیکھ لیں۔"

دروازہ کھلا اور باس باہر نکلا... وہ اسے دیکھ کر حیرت
زدہ رہ گئے... البتہ انسپکٹر جمشید کے چہرے پر حیرت کی
بجائے طنزیہ مسکراہٹ تھی... وہ راج بان تھا...

"تو کیا آپ اسے پہلے ہی پہچان چکے تھے۔"

"ہاں! لیکن میں نے اسے یہاں پہنچنے کے بعد پہچانا تھا... اگر کہیں میں تجربہ گاہ میں پہچان لیتا تو یہ مصیبت نہ مول لینا پڑتی۔" انھوں نے کہا۔

"لیکن آپ نے اسے پہچانا کس طرح؟"

جس وقت یہ پہلی بار تجربہ گاہ آیا تھا... اس وقت میں نے ہی اس سے بات کی تھی اور انتظار گاہ میں بٹھایا تھا... اس نے جملوں کے آخر میں کئی بار "جی ہاں" کہا تھا۔ مجھے یہ اس کا تکیہ کلام محسوس ہوا تھا... اور جب اس نے بطور باس کے ہم سے بات چیت شروع کی، اس وقت بھی اس نے وہی جی ہاں جملے کے آخر میں بولا... میں چونک گیا... اور پھر پر غور کیا... تو وہی نظر آیا... اگرچہ یہ اپنی آوازیں تبدیل کرنے میں پوری طرح ماہر ہے اور جی ہاں کا استعمال بھی نہیں کرتا... لیکن پھر بھی چوک تو ہو ہی جاتی ہے... بہرحال میں اگر نہ بھی پہچانتا... تو اس وقت ہم دیکھ لیتے..." انھوں نے کہا۔

ادھر باس صاحب حیرت اور خوف کا بت بنے کھڑے تھے... یہ دیکھ کر پروفیسر داؤد مسکرائے:

"دیکھ کیا رہے ہو بھئی... تم بازی ہار چکے ہو... ایک

چیونٹی بھی تمھارے اشارے پر حرکت نہیں کرے گی... لہٰذا اب تم خود کو قانون کے حوالے کر دو۔"

"ہاں! ضرور... لیکن اس سے پہلے تمھیں میرے پہلوان کو شکست دینا ہو گی... اسے میں نے اسی لیے تیار کیا تھا کہ اگر کبھی میں ناکام ہوا تو بھی تم لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کی پوزیشن میں رہوں۔"

"ہوں... تو تمھارا کوئی پہلوان بھی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے ادھر ادھر نظریں گھمائیں۔

"بلاٹا! تم کہاں ہو۔" باس نے دھیرے سے پکارا۔

"میں یہاں ہوں باس... تم فکر نہ کرو... میں ان سب کی چٹنی بنا دوں گا۔"

بلاٹا ایک کمرے کے اندر سے باہر نکل آیا... گویا وہ بلاٹا کو اپنے ساتھ رکھتا تھا...

"ارے باپ رے... یہ تو بلاٹا ہے۔" فاروق نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"تو تمھاری اس سے ملاقات ہو چکی ہے۔"

"جی... جی ہاں... یہ بہت خوف ناک چیز ہے... لوہے سے بھی زیادہ سخت... اور اس پر گولی بھی اثر نہیں کرتی۔"

"کوئی بات نہیں... جب گولی کام نہ کرے تو ہم لوگ

اپنے ہاتھوں سے کام نکال لیا کرتے ہیں... آؤ مسٹر بلاٹا،
تم بھی اپنی طاقت آزما لو... تمھارے باس کو کوئی حسرت
نہ رہ جائے۔"

بلاٹا نے دروازے کے ساتھ پڑی بھاری میز کسی کھلونے
کی طرح اٹھا لی اور اچانک انسپکٹر جمشید پر دے ماری...
وہ اگر اچھل کر ایک طرف نہ ہٹ جاتے تو میز کے نیچے پس
گئے تھے... اور پھر وہ اٹھ نہ سکتے... میز فرش سے ٹکرائی اور
کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی...

"یہ کیا کر رہے ہو بلاٹا... میں اپنا نقصان پسند نہیں
کرتا۔" باس نے کہا۔

"اچھی بات ہے باس! میں اب صرف اپنے ہاتھ سے کام
لوں گا۔"

"محمود... کیا تم اس پر اپنا چاقو بھی..."

"جی ہاں!" محمود ان کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی
بول پڑا۔

"اچھی بات ہے... تم سب لوگ ایک طرف ہو جاؤ...
میں اکیلا اس سے لڑوں گا۔"

ان کے ساتھ ہی دیوار سے جا لگے... دوسری طرف
سے باس لگا کھڑا تھا... اس کی آنکھوں میں [illegible]

اور امید کی چمک بھی... کہ شاید بلاٹا ان سب کو ہلاک کر
دے اور وہ پھر اپنی پہلی پوزیشن پر آ جائے...

بلاٹا ایک ایک قدم اٹھاتا انسپکٹر جمشید کی طرف بڑھ
رہا تھا... وہ اپنی جگہ پر ساکت کھڑے بغور اس کی طرف
دیکھ رہے تھے... جونہی وہ ان کے نزدیک پہنچا... اس
نے ہاتھ بڑھا کر ان کی گردن دبوچ لینا چاہا... لیکن وہ
فوراً جھکائی دے گئے اور اس سے دور کھڑے نظر آئے:

"سنبھل کر بلاٹا... یہ عام آدمی نہیں ہیں۔ انسپکٹر جمشید
ہیں۔" باس بولا۔

"فکر نہ کریں باس۔" اس نے کہا۔

اس مرتبہ اس نے ہوا میں چھلانگ لگائی... اور اس کے
دونوں پیر ان کے سر کی طرف گرتے نظر آئے... انھوں نے
ڈبکی سی لگائی... بلاٹا فرش پر گرا... اور فرش تڑخ گیا،
فرش کا یہ حال ہوتے دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گئے...
ایسے میں انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں میز کی ایک ٹانگ آ گئی
وہ گول تھی... اور لوہے کی تھی... انھوں نے اسے تلوار
کی طرح گھمانا شروع کر دیا... اب وہ ساتھ میں بلاٹا کی
طرف بڑھ بھی رہے تھے... بلاٹا اپنی جگہ پُرسکون انداز
[illegible] جونہی انسپکٹر جمشید اس کے نزدیک ہوئے،

لوہے کا راڈ اس کے سر پر پورے زور سے لگا اور مڑ گیا... انسپکٹر جمشید لڑکھڑا گئے... اور ان کا لڑکھڑانا ہی لے بیٹھا... بلاٹا نے فوراً انھیں دبوچ لیا... اور ان کی گردن دونوں ہاتھوں میں دبوچ لی...

"وہ مارا... بلاٹا... تم نے ایک بہت بڑے انعام کا اپنے آپ کو حق دار ثابت کر دیا ہے۔" باس چلایا۔

"ابا جان! کیا ہم آپ کی مدد کریں۔" محمود چلایا۔

"خاموش!" انسپکٹر جمشید بھرائے ہوئے انداز میں بولے۔

ان کی آنکھیں باہر کو ابلی جا رہی تھیں... ایسے میں ان کا دایاں ہاتھ اٹھا... اس کی دونوں انگلیاں تنی ہوئی تھیں۔ پھر وہ دونوں انگلیاں اس کی آنکھوں میں جا گھسیں۔ لیکن پھر ان کے منہ سے ایک گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی... اس کی آنکھوں پر بھی شیشے کا غلاف تھا... لیکن یہ غلاف نظر نہیں آ رہا تھا... ان کی انگلیوں پر سخت چوٹ لگی...

"بس انسپکٹر جمشید! تمھارا کھیل ختم ہو گیا... اب تم بلاٹا کے ہاتھوں سے نہیں بچ سکتے... یہ آخری وار تھا... جو تم کر سکتے تھے..." باس نے پُرغرور انداز میں کہا۔

انسپکٹر جمشید نے جیسے اس کا جملہ سنا ہی نہیں... انھوں نے اپنے دائیں ہاتھ کی ہڈی بلاٹا کی کن پٹی پر پورے زور

سے دے ماری... بلاٹا اس خیال میں تھا کہ ان کے ہاتھوں سے بھلا اسے کیا چوٹ لگ سکتی ہے... لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ انسپکٹر جمشید کے دائیں ہاتھ کی ہڈی ہیرے کے بکس کو توڑ چکی تھی... لہٰذا جونہی اس کی کن پٹی پر ہاتھ پڑا... ایک چیخ اس کے منہ سے نکل گئی... اس کے ہاتھ ان کے گلے سے ہٹ گئے... قدم لڑکھڑا گئے... انسپکٹر جمشید نے اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا... ہاتھ کی ہڈی تابڑ توڑ مارتے چلے گئے...

"سنبھلو بلاٹا... سنبھلو... یہ... یہ تمھیں کیا ہو گیا۔" باس نے کہا۔

"اب اس کے سنبھلنے کا وقت نکل گیا مسٹر باس۔" فاروق مسکرایا۔

جلد ہی بلاٹا فرش پر ڈھیر نظر آیا... اور باس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں...

"ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہ مہم اس طرح بھی سر ہو سکتی ہے۔" محمود کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"تو اب سوچ لو... سوچنے پر کوئی پابندی تو نہیں ہے نا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"چلو بھائی... گھر چل کر سوچیں گے... اس کیس نے

تو بڑی طرح تھکا دیا ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"جی... کیا سوچیں گے۔"

"بس یہی کہ ہمیں کیا سوچنا ہے۔"

پروفیسر داؤد نے گھبرا کر کہا اور سب مسکرانے لگے۔